شاہنامۂ اسلام



جلد دوم



حفیظ

تصانیفِ حفیظ

نغمہ زار

حفیظ کے تغزل اور ترنم کا پہلا مجموعہ "ابھی تو میں جوان ہوں" "چاند کی سیر" "صبح عید" وغیرہ تمام غیر فانی شاہکار اور شاعر کے شباب کی تمام غزلیات موجود ہیں۔

قیمت عہ

سوز و ساز

نغمہ زار کے بعد کا تمام مجموعہ کلام حفیظ جس میں "ذرہ خیبر" "شام رنگیں" "تین نغمے" "ٹوٹی ہوئی کشتی کا ملاح" "سلام" "رقاصہ" ایسی نظمیں اور "کرشن بنسری" "پریت کا گیت" "اندھی جوانی" "جاگ سوز عشق" "دل سے پرے" "بس میں" وغیرہ گیت اور ۱۹۳۲ء تک کی تمام غزلیات درج ہیں۔ اردو شاعری کی یہ اولین کتاب ہے جس پر پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے مصنف کو اول درجہ کا انعام دیا ہے۔ عہ

ہفت پیکر یعنی حفیظ کے طبعزاد افسانے شاعر کی نثر نگاری کا بہترین نمونہ۔ عہ

معیاری افسانے حفیظ کے مرتب کردہ بہترین غیر ملکی مختصر افسانوں کا لاجواب مجموعہ مجلد عہ

شاہنامہ اسلام

جلد دوم



از ابوالاثر حفیظ جالندھری

(المخاطب بہ ملک الشعراء حسان الملک بہادر خانصاحب)

جلد دوم

پہلی طباعت ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۹۳۳ء

دوسری طباعت ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۹۳۷ء

کتابت حسب دستور پیر عبدالحمید صاحب وزیرآبادی نے فرمائی

لیکن چونکہ گذشتہ مرتبہ طباعت کے معاملے میں بہت تلخ تجربہ ہوا تھا

اسلئے

اس اڈیشن کی طباعت باہتمام لالہ گوپال داس مینیجر مرکنٹائل پریس ہوئی

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا

یادِ ایّام

المعروف بہ

شاہنامۂ اسلام

جلد دوم

اُردو نظم میں تاریخِ اسلام کے زرّیں واقعاتِ رزم کا ولولہ انگیز بیان

جنگِ بدر میں تین سو تیرہ مجاہدین کے سرفروشانہ کارنامے، مدینے میں یہودیوں اور منافقوں کی شرارتیں، مکّے میں جوشِ انتقام، غزوہ سویق غزوہ احد وغیرہ

اثرِ خامہ

ابو الاثر حفیظ جالندھری

پیشکش

ہر اُس فرزندِ توحید کی خدمت میں

جو

کلمہ طیّبہ

لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

پر

ایمان رکھتا ہے

حفیظ

فہرستِ مضامین

باب اوّل

باب دوم

باب سوم

شاہنامۂ اسلام

جلد دوم

از آنریبل جسٹس شیخ سر عبد القادر صاحب بالقابہ

"شاہنامۂ اسلام" کی پہلی جلد کو اگر حفیظ کی رزم نگاری کا نقشِ اوّل کہیں تو دوسری جلد جو اب شائع ہو رہی ہے لفظی اور معنوی طور سے نقشِ ثانی کہلانے کی مستحق ہے۔ ہر صاحبِ فن کا نقشِ ثانی نقشِ اوّل سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ جلد دوم میں اشعار کی آمد اور روانی پہلے سے زیادہ زورِ جوانی دکھا رہی ہے پہلی جلد کو جو کامیابی نصیب ہوئی۔ اس کے بعد دوسری جلد کے لئے کسی تمہید یا تقریب کی حاجت نہیں مگر مصنف کی محنت اور جگر کاوی مستحقِ اعتراف ہے۔ اور جی چاہتا ہے کہ دوسری جلد کا خیر مقدم بھی اسی جوش سے ہو جس کا اظہار پہلی جلد کی اشاعت کے وقت کیا گیا تھا۔

کامیابی کئی طرح کی ہوتی ہے۔ "شاہنامۂ اسلام" کو خدا نے ہر طرح سے کامیابی دی۔ کتاب اگر مقبول ہو اور بکثرت اشاعت پائے تو یہ اُس کی پہلی اور سب سے بڑی فتح ہے۔ اس کتاب کی پہلی جلد جتنی چھپی تھی ایک سال کے اندر فروخت ہو گئی اور دوسری اشاعت کی نوبت آئی۔ اس کی خوبی کا دوسرا ثبوت یہ ملا کہ قرنِ اولیٰ کے رہبرانِ اسلام کے کارناموں کو نظم کا لباس پہنانے کی جو طرز حضرت حفیظ نے اختیار کی تھی۔ اس کی تقلید جا بجا ہونے لگی اور کئی اور لکھنے والوں نے اسی طرز پر اسلامی نظمیں شائع کیں۔ قبولِ عام اس تصنیف کو اس قدر حاصل ہوا کہ قومی مجالس میں جب کسی نے اُسے پڑھ کر سنایا تو لوگوں نے انتہائی توجہ اور شوق سے سنا۔ اور جہاں کہیں لوگوں

کو خود مصنّف کی زبان سے شاہنامۂ اسلام کے کچھ حصّے سُننے کا موقعہ ہوًا وہاں جلسے پر محویت طاری ہوگئی۔ عام قدر دانی کچھ تو کتاب کی فروخت کی کثرت سے ظاہر ہوئی۔ مگر زیادہ تر اس امر سے کہ بہت سے شائقین نے بہتر قسم کے مجلد نسخے فی نسخہ بارہ بارہ روپے کو خریدے۔ حالانکہ معمولی نسخوں کی قیمت تین روپے فی نسخہ تھی۔ ہمارے رؤسا میں سے ایک فیاض طبع اور نیک دل قدر دان نے جن کے نامِ نامی کے اعلان کی اجازت نہیں شاہنامۂ اسلام جلد اوّل کا ایک نسخہ ایک ہزار روپے میں خریدا۔ یہ سب باتیں حوصلہ افزا ہیں۔ اِن سے نہ صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ مصنّف کے کلام کو بجا طور پر ملک میں قبولیت حاصل ہوئی ہے۔ بلکہ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان ابھی زندہ قوم ہیں اور اسلام کی سچی خدمت کو پہچاننے اور خادموں کی ہمت بڑھانے کی قابلیت رکھتے ہیں۔

پہلی جلد میں مصنّف نے یہ کوشش کی تھی کہ جو روایات نظم کی جائیں وہ ایسی ہوں جن کی صحت تاریخی اعتبار سے مسلّمہ ہو۔ یہی احتیاط دوسری جلد میں ملحوظ رکھی گئی ہے بلکہ جا بجا ایسے نوٹ دیئے گئے ہیں جن سے روایات کے ماخذ کا پتہ چلتا ہے۔ اس احتیاط کے متعلق کچھ اشعار اس جلد میں "عذرِ مصنّف" کے عنوان سے درج ہیں۔ اُن میں سے چند بطورِ نمونہ پیش کئے جاتے ہیں۔ مصنّف نے کیا خوب لکھا ہے :-

مجھے ملحوظ ہے اس تذکرے میں راست گفتاری ۔۔۔ وگرنہ شاہبازِ فکر اُڑنے سے نہیں عاری

جو موضوعِ سخن مجھ کو اجازت اِک ذرا دیتا ۔۔۔ زمینوں کو اُٹھا کر آسمانوں پر بٹھا دیتا

مجھے گر یاد ہیں قطرے کو طوفاں کر دکھانے کے ۔۔۔ کسی ذرّے کو وسعت میں بیاباں کر دکھانے کے

میرے من میں ہے ابر خزانی بھی بہاری بھی ۔۔۔ کہ ہے آتش فشانی بھی نفس میں برفباری بھی

تخیّل پر نہیں بنیاد میرے شاہنامے کی ۔۔۔ صداقت کی طرف جاتی ہے رہ راست خامے کی

نہ کوئی داستاں ہی جس میں لطفِ داستاں بھر دوں ۔۔۔ نہ افسانہ ہے جس کو جس طرح چاہوں بیاں کر دوں

یہ قرآنی بیاں ہے ایک کالی کملی والے کا کہ جس کے نور سے ظلمت نے مُنہ دیکھا اُجالے کا

ممکن ہے کہ مندرجہ بالا تعریف سے کوئی یہ سمجھے کہ کتاب نظم کے اعتبار سے روکھی پھیکی ہوگی اور جو حالات لکھے ہیں اُن کی تصویر اگر مطابق اصل ہے تو اُس میں مصوّر کو رنگ بھرنے کا کیا موقع ملا ہوگا۔ مگر طبعِ رنگیں اپنے لئے راستہ نکالے بغیر کہاں رہ سکتی ہے۔ سیدھی سادی روایتوں کے منظوم بیان میں حفیظ کی شاعری نے اپنی خصوصیات کے اظہار کے لئے گنجائش نکال لی ہے اور دوسری جلد میں کئی ایسے ادبی جواہر پیش کئے گئے ہیں جنہیں شائقین پسند کریں گے اور مزے لے لے کر پڑھیں گے۔ مثلاً جنگ بدر کا بیان ہے کہ جہاں جناب رسالتمآب کا چھوٹا سا لشکر ایک ریگستانِ بے آب میں پانی کی تلاش میں ہے۔ اُس وقت حسنِ اتفاق سے مینہ برس گیا۔ اس سادہ سی بات کو بیان کرنے کے لئے حفیظ کے تخیل نے یہ سماں باندھا کہ صحرا کے دل میں یہ آرزو پیدا کی کہ جس طرح ہو سکے اپنے مقدس اور متقدر مہمانوں کیلئے پانی بہم پہنچائے اور اس نے نہایت عجز سے بارگاہِ ایزدی میں دُعا مانگی کہ آسمان سے پانی برسائے۔ وہ دُعا منظور ہو گئی اور مینہ آگیا۔ اِس موقعہ پر "دعائے صحرا" کے نام سے جو ٹکڑا حفیظ کے قلم سے نکل گیا ہے۔ وہ اُن کے ادبی کارناموں میں پائیدار شہرت کا مستحق ہے۔ یہاں تخیل نے اپنا زور دکھایا ہے۔ مگر کسی تاریخی واقعہ میں تصرف نہیں کرنا پڑا۔ واقعہ اتنا ہی ہے کہ مینہ برسا اور اُن لوگوں کی تکالیف رفع ہو گئیں جو پیغمبرِ اسلام کے ہمرکاب تھے۔ مگر اُس کے بیان کے پیرائے میں جدت پیدا کرنے سے مضمون رنگین ہو گیا ہے۔

ایک دوسری خوبی جو شاہنامۂ اسلام میں ملحوظ رکھی گئی ہے۔ وہ یہ ہے کہ بزرگانِ سلف کی خوبیاں بیان کرتے کرتے ضمناً مگر نہایت دلآویز طریق سے ایسے اخلاق کی تلقین کی جاتی ہے جن کی موجودہ زمانے میں بھی ہم کو ضرورت ہے۔ اس مطلب کی وضاحت ذیل کے اشعار

سے ہوگی جہاں اس چھوٹی سی فوج کا ذکر کرتے ہوئے جو جنگِ بدر میں اسلام کے ہادیٔ برحق کی اپنی سپہ سالاری میں خدا کی راہ پر پہلی لڑائی کرنے کو نکلی تھی ۔مصنف یوں نغمہ پیرا ہوتا ہے ؎

نہ کوئی زعمِ باطل تھا نہ کوئی جوشِ ہنگامی | نہ فکرِ کامیابی تھی نہ ذکرِ خوفِ ناکامی
نہ کثرت کی کوئی پروا نہ قلت کا تھا غم ان کو | نہ کچھ اندیشۂ پست و بلند و بیش و کم ان کو
نہتے تھے مگر تسکین و طمینان رکھتے تھے | کہ ساماں پر نہیں۔ ایمان پر ایمان رکھتے تھے

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ رزم کا آغاز زیادہ تر اسی جلد سے ہوتا ہے اور مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی ہے کہ رزم کے میدان میں بھی ہمارے مصنف کے اشہبِ قلم کی رفتار قابلِ تعریف ہے۔

ذیل کے رزمیہ ٹکڑوں میں صفائیٔ بیان اور الفاظ کی موزونیت ملاحظہ ہو ؎

پڑی تلوار فولادی سپر کے ہو گئے ٹکڑے | سپر سے تا بہ سر پہنچی تو سر کے ہو گئے ٹکڑے
گلے کے ہار زنجیروں کی لڑیاں کاٹ کر نکلی | زرہ بکتر کے بندھن اور کڑیاں کاٹ کر نکلی

ایک دوسری جگہ پر تلوار ہی کے بیان میں لکھا ہے ؎

بہت بیباک تھی یہ تیغ اب کچھ اور چل نکلی | کبھی شانے پہ چمکی اور کبھی زیرِ بغل نکلی
کسی کی ڈھال کاٹی سر سے گزری صدر تک پہنچی | بڑی خوبی سے منشائے قضا و قدر تک پہنچی

مخالف فوج کے سرگروہ ابوجہل کا بیان کرتے ہوئے کہ وہ میدان میں اپنے آپ کو کس طرح محفوظ کئے ہوئے تھا۔ اوروں کو لڑاتا تھا اور آپ تیغ کے منہ پر نہ آتا تھا۔ لکھا ہے ؎

مسلح پہلوانوں کی تھیں لوہا لاٹ دیواریں | جو اس کے آگے پیچھے چل رہے تھے لیکے تلواریں
کسی کی دسترس اس تک نہ ہوتی تھی بآسانی | کہ تھا اک چلتے پھرتے قلعے میں اس جنگ کا بانی

جلد دوم میں سب سے زیادہ پُرلطف اور پُراثر وہ حصے ہیں جن میں جہاد کے اصلی معنی واضح

کئے گئے ہیں اور وہ اصول بتلائے گئے ہیں جو آنحضرت نے اپنی فتوحات کے بعد خود ملحوظ رکھے اور جن پر کاربند ہونے کی اپنے پیرووں کو تاکید کی۔

جہاد کا اصلی مفہوم اُن ہدایات سے واضح ہو جاتا ہے جو جنگ سے پہلے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ساتھیوں کو دیں۔ اُن میں سے چند اشعار ذیل میں درج ہیں :-

خبردار آنہ جائے لشکرِ باطل ترے جب تک
نہ ہو اُن کی طرف سے حملہ ہونے کا یقیں جب تک

لڑائی کیلئے اس وقت تک جنبش نہ تم کرنا
نہ ہو مجبور جب تک جنگ کی خواہش نہ تم کرنا

لڑائی ٹال دینا درگزر کرنا ہی بہتر ہے
جہاں تک ہو سکے اس سے عذر کرنا ہی بہتر ہے

مگر جب جنگ چھڑ جائے تو استقلال لازم ہے
قضا کا خندہ پیشانی سے استقبال لازم ہے

یہ تو جنگ کی ہدایات تھیں اب فتح کے بعد کے حالات سنئے جب خدا نے آنحضرت کو فتح دی تو اُن کا اور اُن کے ہمراہی غازیوں کا طریقِ عمل تمام دنیا کے لئے نمونہ ہے۔ اس کے بیان میں جناب حفیظ نظم میں یوں موتی پروتے ہیں ؎

نمازِ عصر کا وقت آ گیا ان کام دھندوں میں
ہوا بیتاب ذوقِ بندگی اللہ کے بندوں میں

وضو کر کے صفیں ملیاں میں یا ندھیں شان والوں نے
خدا کے سامنے سر رکھ دیئے ایمان والوں نے

سُنے نغماتِ شکران فتح مندوں کی زبانوں سے
اُتر آئے فرشتے لے کے رحمت آسمانوں سے

تعجب خیز تھا یہ ربط و ضبط انسانِ فانی کا
چڑھا ہرگز نہ اس اُمت کو نشہ کامرانی کا

یہ پہلی فتح تھی انسان کی شیطان کے اُوپر
کہ بعدِ فتح قائم تھا بشر ایمان کے اُوپر

جب جنگِ بدر میں فتح پانے کے بعد آنحضرت اور صحابہ مدینہ منورہ میں واپس آئے۔ اُس وقت کے بہت سے دلچسپ واقعات نظم کئے گئے ہیں۔ اُن کی تفصیل یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں مگر غازیوں کی قوتِ ضبط کی تعریف میں جو شعر لکھے گئے ہیں وہ نہایت سبق آموز ہیں ؎

سر و سینہ کو وقفِ تیغ و خنجر کر کے آئے تھے — رہِ حق میں یہ پہلا معرکہ سر کر کے آئے تھے
مگر اس فتح پر کوئی نہ شورش تھی نہ ہنگامہ — نہ کوئی ناچ گانا تھا۔ نہ باجے تھے نہ دمامہ
نہ اپنے زورِ بازو کی کہیں تعریف ہوتی تھی — نہ اندازِ شجاعت کی کوئی توصیف ہوتی تھی
حریفوں کی مذمت بھی نہ تھی اُن کی زبانوں پہ — نہ کمزوروں پہ کوئی طنز تھی نے پہلوانوں پہ

جو لوگ فوجِ دشمن میں سے قید ہو کر آئے۔ اُن کے متعلق آنحضرتؐ نے بہت نرمی اور احسان کے احکام جاری کئے۔ اس کی کیفیت ایسے مؤثر پیرایہ میں لکھی ہے کہ اُس کو پڑھتے ہوئے رقت ہوتی ہے۔ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے ؎

اسیروں کو ہمیشہ عزت و اکرام سے رکھنا — کوئی صدمہ نہ پہنچانا بہت آرام سے رکھنا
نہیں کرتا پسند اللہ سختی کرنے والوں کو — کہ جنّت کی بشارت ہے خدا سے ڈرنے والوں کو

اس جلد کے خاتمے کے قریب اہل مکہ کے انتقامی حملوں کا تذکرہ ہے اور جنگِ اُحد کا بیان شروع ہوتا ہے۔ اس جلد کے اشعار پہلی جلد کی طرح دو ہزار سے اوپر ہیں اور حجم اڑھائی سو صفحے سے زیادہ ہے۔ اور لکھائی چھپائی میں پہلی جلد کی سب خصوصیتیں قائم رکھی گئی ہیں۔ مَیں دُعا کرتا ہوں کہ خدا اسے بھی وہی قبولیت عطا کرے جو شاہنامۂ اسلام کی جلد اوّل کو حاصل ہوئی ہے اور حضرتِ حفیظ کو توفیق دے کہ وہ تاریخِ اسلام اور ادبِ اُردو کی اس بیش بہا خدمت کو جاری رکھیں۔ اور شاہنامۂ اسلام عالمِ اسلامی کے نہ مٹنے والے کارناموں کی ایک مکمل منظوم تاریخ ہو۔

عبد القادر

معیار

از پروفیسر محمد دین تاثیر ایم۔اے

کسی نظم یا شعر کے متعلق کسی قسم کی رائے کا اظہار کرنا بظاہر ایک معمولی سی بات ہے۔ داغ کو ہوسناک غالب کو فلسفی، انشا کو ہزال اور اقبال کو محض قومی کہہ دینا بدیہی مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔ کیا داغ وصل اور بوسے کے الفاظ استعمال نہیں کرتا۔ کیا غالب زندگی کا رونا نہیں روتا۔ کیا انشا پھکڑ نہیں لڑتا۔ کیا اقبال کا ترانہ ہر جگہ نہیں گایا جاتا؛ تو پھر یہ آرا بدیہیات میں سے نہ ہوئیں؛ کیا ان کے متعلق کسی مزید غور و فکر کی ضرورت ہے؟

مگر مشکل یہ ہے کہ یہ تمام تصورات ہوس، فلسفہ، ہزل، قومیت ایک طرز خیال کا نتیجہ معلوم نہیں ہوتے ایک طرف ان شعراء کی ایک عام مشترک خصوصیت کا ذکر کیا جاتا ہے جس کی بدولت اِن سب کو ایک ہی نام (شاعر) سے پکارا جاتا ہے۔ اور دوسری طرف انہیں نفسیات، اخلاقیات اور مختلف معیاروں پر تولا جاتا ہے۔ کسی کو ایک وجہ سے مقہور قرار دیا جاتا ہے اور کسی کو دوسری وجہ سے سراہا جاتا ہے۔ کیا تنقید کا یہ صحیح طریقہ ہے؟

یہ درست ہے کہ ہر تنقید سے حقیقتاً ذاتی پسند کا اظہار ہوتا ہے۔ نقاد کے اصول خواہ کس قدر مستند اور قدیم کیوں نہ ہوں اُن کا اختیار کرنا بجائے خود ایک ذاتی فعل ہے اور ان کا اولین واضع ایک ہی فرد ہوگا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بیک وقت ایک ہی فن کے متعلق مختلف معیار استعمال کئے جائیں۔ نقاد کی پسند ذاتی سہی لیکن اُس میں یگانگت کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ تنقید محض ایک کھیل ایک دِل لگی سی بن جائے گی۔ جو چاہے نقاد ہو جائے اور جو مُنہ میں آئے کہتا چلا جائے۔

تنقید کو ایک معین علم بنانے کی غرض سے چند ابتدائی امور کا تصفیہ ضروری ہے۔

کیا ادبی تصانیف کو جانچنے کے لئے ایک مقرر کردہ اصولی نظام، ایک خارجی ضابطہ، تعزیرات درکار ہے؟

ہماری فصاحت وبلاغت کی پرانی کتب اس سوال کا جواب ہیں لیکن اُن کی استنادی حیثیت قریبًا مفقود ہو چکی ہے۔ اور کیوں نہ ہوتی؟ — عربی سے فارسی اور فارسی سے اُردو میں منتقل ہو کر بھی یہ کتابیں جوں کی توں ہی رہیں۔ زمانہ اور اس کا مذاق بدل گیا مگر یہ نہ بدلیں۔ اور کیسے بدلتیں جب اُن کا اساسی اصول ہی یہ ہو کہ تبدیلی گناہ ہے۔ جب ان کے پاس ہر شعبۂ ادب کے لئے ایک ہی معیار ہے۔ مگر ان کتب کی نامقبولیت کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ تمام ترتجزیاتی ہیں۔ ان کے نزدیک ایک متحد تصنیف کو جانچنے کے لئے اسے پرزہ پرزہ کرڈالنا ضروری ہے۔ اور پھر اُن کے پیش کردہ معیاریوں بھی تسلی بخش نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مختلف انواع ادب کیا ایک ہی نوع کے مختلف مظاہر کو کسی ایک ضابطے سے جانچنا غلطی ہے۔ یہ ہی نہیں کہ نثر و نظم (ڈراما، افسانہ، غزل وغیرہ) کے لئے خاص معیار رہنا ضروری ہیں بلکہ ایک شاعر سے دوسرا شاعر مختلف ہے اور مختلف معیارِ تنقید کا حقدار ہے۔ ورنہ ادبیات میں جدت کا خاتمہ ہو جائے اور فقیہوں کے استدلال کل جدید بدعۃ۔ کل بدعۃ ضلالۃ کل ضلالۃ فی النار کی نذر ہو جائے۔

اس لئے یہ ضروری ہے کہ ہم ہر تصنیف کو اس کے داخلی معیار سے دیکھیں۔ یہ دیکھیں کہ لکھنے والے کا مقصد کیا تھا اور وہ اس مقصد میں کہاں تک کامیاب ہے۔ یہ نہ ہو کہ غزل گو کو اس لئے دھتکار دیا جائے کہ اس میں "پیغام" نہیں اور "بانگِ درا" کو اس لئے غیر شاعرانہ کہہ دیا جائے کہ اس میں تغزل کم ہے۔ اس انفرادی معیار کو قائم کرنے کے بعد ہم یہ پوچھنے کے مجاز ہو سکتے ہیں کہ کیا مقصد بذاتِ خود قابلِ قدر ہے اور اگر ہے تو کیا اسے ادبیات میں شامل کیا جا سکتا ہے؟ اور اسے کس نوع ادب میں شمار کرنا چاہئے نثر میں یا نظم میں؟ افسانے میں یا ڈرامے میں؟ مگر عام طور پر یہ بحث ایک حد تک غیر ضروری اور خارجی ہو گی۔

یہ کوئی ایسی پیچیدہ باتیں نہیں مگر ان کے پیش نظر نہ ہونے کی وجہ سے عجب عجب مضحکہ خیز مغالطے پیدا ہو جاتے ہیں۔ چند سال ہوئے دکن میں کسی بزرگ نے ایک انگریز شاعر کے نظریۂ شاعری کو معیار بنا کر غالب کو تحت الثریٰ میں گرا دیا۔ معمولی مفروضات و روایات سے بے خبر نوجوان ہماری مشرقی شاعری کو سرے سے بے معنی قرار دے ڈالتے ہیں۔ ہمارے یو۔پی کے پرانے استادلوگوں نے اقبال کو تو جو کچھ سمجھنا تھا سمجھا۔ اپنے ہم وطن اکبر کو بھی نہ چھوڑا جس پر انہیں تنگ آ کر کہنا پڑا ؎

تم سے استادوں میں میری شاعری بیکار ہے   ساتھ سارنگی کا بلبل کے لئے دشوار ہے

جس طرح بلبل کے نغمے خارجی قانون سے آزاد ہیں ہر شاعر کو ایسی آزادی کا حق حاصل ہے۔ یہ نہیں تو جھٹ کہہ دیا کہ "شاہنامۂ اسلام" ایک مثنوی ہے۔ اس کا وزن مثنوی کے مقررہ وزن سے باہر ہے۔ صغریٰ کبریٰ مرتب۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ "شاہنامہ اسلام" مثنوی بھی نہیں اور حفیظ شاعر بھی نہیں۔

رباعی اور قطعات کی بحث بڑھانے والے نقاد بھی اسی قماش کے ہیں۔ اگر ان اہل فن بزرگوں کے معیار پر اکتفا کیا جائے اور معانی کو نظر انداز کر کے محض الفاظ کے الٹ پھیر کو شاعری کا منتہا قرار دیا جائے تو یقیناً چرکیں اپنے وقت کا ملک الشعراء کہلانے کا مستحق ہوگا۔ استادوں میں تو اب بھی متصور ہوتا ہوگا۔

"شاہنامۂ اسلام" کا مقصد تلاش کرنے کے لئے زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں مصنف نے خود ہی اسکو واضح کر دیا ہے۔ ضروری نہیں کہ کسی مصنف کا پیش کردہ مقصد ہی اس کا صحیح ادبی مقصد ہو۔ سہ

بھلا بیٹھے ہیں یاد اپنے سلف کے کارناموں کی	گئی دُنیا سے آقائے محمد کے غلاموں کی
دلِ سنگیں سخن کے آتشیں تیروں سے برماؤں	ارادہ ہے کہ پھر ان کا لہو اِک بار گرماؤں
کرے تائید جن کی عقل بھی تاریخ بھی مانے	سناؤں ان کو ایسے ولولہ انگیز افسانے

سلف کے کارناموں کو ولولہ انگیز طریقے سے سنانا۔ یہ ہے شاعر کا مقصد! عقل اور تاریخ کی بندش غیر ضروری ہے۔ اس کا خیال اسی حد تک کرنا چاہئے جس حد تک اس پابندی سے ولولہ انگیزی میں نقص نہیں پیدا ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اس صدی میں اگر خلافِ عقل واقعات پیش کئے جائیں تو ولولہ کی جگہ ہنسی پیدا ہوگی۔ اسی طرح سلف کے ایسے تاریخی واقعات میں جن سے ہر خلف آگاہ ہے تبدیلی کرنے سے اصل مقصد میں رکاوٹ پیدا ہوگی۔ مگر تصور کی وسعت کو روکنا عبث ہے۔

حفیظ نے اپنے مقصد کو اس طرح متعین کر کے اپنے راستے میں بہت سی مشکلیں پیدا کر لی ہیں۔ ہومر کے سامنے ایک افسانہ تھا جس میں وہ عشق و محبت، حسد و نفاق، رقابت اور جنبہ داری کی کشاکش کے ساتھ ہر طرح کے عقلی و غیر عقلی واقعات بیان کئے جاتا تھا۔ فردوسی کے شاہنامے کا زمانہ بھی ماقبل تاریخ ہے۔ ہمارے مرثیہ نگاروں نے تاریخ کو طلسم بنا رکھا ہے، جو چاہا ہے جس طرح چاہا ہے کہہ ڈالا ہے۔ حفیظ ان سب کے بعد آتا ہے اور سب سے زیادہ مشکل مہم پیشِ نظر رکھ لیتا ہے اس کے سامنے کوئی ایسی مثال نہیں جو اس کی رہنمائی کر سکے۔ وہ اپنی منزل بھی آپ تلاش کرتا ہے اور اپنا راستہ بھی خود ہی بناتا ہے۔ یقیناً اس کا راستہ

پُل صراط سے زیادہ کٹھن ہے۔ تخیل کو دبائے تو شاہنامہ محض منظوم تاریخ رہ جائے۔ واقعات کو بدلے تو تحریف کا مرتکب ٹھہرے۔ یہی تکالیف اُس کے حق میں رحمت بن جاتی ہیں۔ یہی مشکلات اُس کی کامیابی کو غیر فانی بنا دیتی ہیں اور حفیظ کو حالی، اقبال اور اکبر کی صف میں جگہ حاصل کرنے کا حقدار کر دیتی ہیں۔

"شاہنامہ اسلام" (حصہ دوم) تاریخی کتابوں، آیات اور احادیث کے حوالوں سے بھرا ہوا ہے۔ مصنف قدم قدم پر تاریخی تفصیلات کے بیان سے واقعات کی صداقت ظاہر کئے جاتا ہے اور اسلاف کے ان کارناموں کو مصور الفاظ اور مناسب اصوات سے زندہ کر دکھاتا ہے۔

تاریخی تفصیلات سے محض عقل کی تسلی ہوتی ہے۔ اس نظم میں اُن کی قدر محض منفی حیثیت رکھتی ہے ؎

مبارک جمعہ کا دن سترھویں تھی ماہِ رمضاں کی

اور ع یہ ستر اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے

ایک مسلسل بیان ہے ؎

بنایا اِک عریشہ پھونس کا اربابِ ہمت نے
قیام اُس میں کیا بہرِ دعا فخرِ رسالت نے

نبی نے امر فرمایا کہ دو اہلِ نظر جائیں
کہاں اُتری ہوئی ہے فوجِ قرشی کی خبر لائیں

علی اور سعد نے بڑھ کر نظر ہر سمت دوڑائی
قریشی کافروں کی چھاؤنی چھائی ہوئی پائی

پلٹ کر عرض کی فوجِ گراں معلوم ہوتی ہے
زمیں گویا حریفِ آسماں معلوم ہوتی ہے

مقامِ عدوۃ القصویٰ کا ٹیلہ اِک طرف ہٹ کر
ہے آسودہ خدا کے دشمنوں کا اِک بڑا لشکر

یہ اونٹوں کی تعداد، تاریخ اور دن کا تعین۔ چھپر (عریشہ) کی تخصیص، مقامات اور افراد کے نام ان تفصیلات سے واقعیت کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ مگر اتنا کام تو ہر تک بند بڑی بھلی طرح سرانجام دے سکتا ہے۔ مگر حفیظ کا کمال یہ ہے کہ وہ اس ارضیہ کے آگے ایک چلتی پھرتی جیتی جاگتی تصویر تخلیق کر دیتا ہے یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس میں سینما کا کس قدر اثر شامل ہے۔ یوں یہ واقعیت ادبیاتِ حاضرہ کی عالمگیر خصوصیت ہے یہ بات "طلسم ہوشربا" اور کسی جدید ناول کے مقابلہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ ہمارے مراثی میں بھی یہ حقیقت وضاحت سے نظر آتی ہے۔ انیس جزئیات میں اس کا ماہر ہے۔ گو زمانہ کی بدمذاقی اور ماحول کی ناہمواری اسے کبھی کبھی اپنا ہمنوا کر لیتی ہے۔ مگر حفیظ بیسویں صدی کا شاعر ہے۔ واقعیت اس کے "شاہنامہ" کی جان ہے۔ جنگ بدر کا نقشہ ہے۔ بے جان واقعات نہیں ولولہ انگیز کارناموں کا بیان

ہے۔

دشمنوں کا لشکر ؎

اڈتی۔ دوڑتی۔ اُٹھتی ہوئی بڑھتی ہوئی آندھی   زمیں پر پھیلتی۔ افلاک پر چڑھتی ہوئی آندھی

اڈتی۔ دوڑتی۔ اٹھتی . . . . یہ ہیجانی الفاظ پے بہ پے آکر معانی کی کس قدر صحیح ترجمانی کرتے ہیں
اس ٹکڑے میں اصوات کے مناسب استعمال کی اور مثالیں بھی نظر آتی ہیں ؎

نہاں اس ابر میں ڈھولوں کی ڈھم ڈھم دف کی دُف دُف بھی   مغلّظ گالیوں کا شور تھا کتوں کی عف عف بھی

ان اشعار کو اگر کوئی اردو سے ناواقف اجنبی بھی سُن لے تو محض اصوات سے معانی کا اندازہ لگا سکتا ہے
اصوات کے ساتھ مصوّر الفاظ مل کر واقعات کو کس طرح زندہ کر دیتے ہیں! انفرادی جنگ کا منظر دیکھئے
حضرت حمزہ رض اور عتبہ کا مقابلہ ہے۔

جناب حمزہ رض نے تلوار پر تلوار کو روکا   سبکدستی سے تھپکی دے کے مہلک وار کو روکا
نظر آیا نہ کچھ اِک جھنجھناہٹ کی صدا آئی   اُڑیں چنگاریاں تلوار سے تلوار ٹکرائی
ذرا مہلت جو پائی ایک پل دھاوے سے حمزہ نے   سبک ہو کر نکالا ہاتھ اُلجھاوے سے حمزہ نے
لیا دشمن کو بڑھ کر تیغ فرخ فال کے نیچے   مگر عتبہ نے اپنا سر چھپایا ڈھال کے نیچے

حضرت زبیر رض اور آہن پوش پہلوان ابوکرش کے مقابلہ میں کہیں کہیں شگفتہ ظرافت کی بھی جھلک ہے
جس سے مشتعل جذبات کو کچھ کچھ تسکین ہو جاتی ہے۔ سننے والا دم لے کر آگے بڑھتا ہے ؎

نظر آیا کہ یہ انساں نہیں پُتلا ہے آہن کا   کوئی حصّہ جز آنکھوں کے نظر آتا نہیں تن کا
بشر تھا یا کہ تھا بیڈول سا اِک ڈھول لوہے کا   چڑھا رکھا تھا جس نے تن کے اوپر خول لوہے کا
یہ کل آہن کی شاید ڈھل کے آئی تھی جہنّم سے   زمیں پہ اپنے پیروں چل کے آئی تھی جہنّم سے

. . . .

بلا کے طعن تھے پُر پیچ چوٹیں تھیں تکانیں تھیں   سنانیں تھیں کہ دو پھندار سانپوں کی زبانیں تھیں
جما کر پیترا کر کے اشارا مرد غازی نے   انی رکھتے ہی اک ہلّہ جو مارا مرد غازی نے
ہوائی کر دیا باطل کے نیزہ باز کا نیزہ   زمیں پر سر کے بل آیا غرور و ناز کا نیزہ
قریشی پہلواں کے ہاتھ سے جب اُڑ گیا بھالا   تو جھٹ کر ہاتھ اُس نے قبضۂ شمشیر پر ڈالا

مگر اب جاں نثار احمدِ مرسل کی باری تھی کہ برچھی ہاتھ میں تھی اور قضا کی سازگاری تھی
جھپٹ کر شیر نے اِک وار دشمن پر کیا کاری جہاں آنکھوں کے دو سوراخ تھے برچھے وہاں ماری
سناں اس زور سے آہن کا چہرہ توڑ کر گزری گھسی چشمِ عدو میں کاسۂ سر پھوڑ کر گزری
سرِ خود سر نے حق سے سرکشی کرنے کا پھل پایا کہ پھل برچھی کا سر میں دوسری جانب نکل آیا
گرا فولاد کا پتلا زمیں پر سرنگوں ہو کر تکبر بہ گیا آنکھوں کے رستے موجِ خوں ہو کر
قفس کے ٹوٹنے سے طائرِ جاں اُڑ گیا آخر اِدھر کھینچی جو برچھی زور سے پھل مڑ گیا آخر

کہیں کہیں مضمون آفرینی بھی کی گئی ہے سے

یہ تیغِ حمزہ تھی دعوے تھے اس کو خاکساری کے زمیں پر آ رہی کر کے دو ٹکڑے جسمِ ناری کے

اور جب تصورِ عقل کی ارضی زنجیروں کو توڑ کر پرواز کرتا ہے۔ حفیظ کا جذبۂ نیاز و عقیدت تاریخی واقعات کے سہارے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ صحرا کی دعا میں صحرا کوئی بے جان بیابان نہیں۔ خود دیدارِ یار کا کیں تمنائی شاعر ہے۔ ہم ہیں۔ تم ہو۔ ہر صاحب دل ہے سے

خبر کیا تھی الٰہی ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ تیرا ساقیٔ کوثر یہاں تشریف لائے گا
خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آ کے ٹھہریں گے شہید آرام فرمائیں گے غازی آ کے ٹھہریں گے

غرض شاہنامۂ اسلام میں وہ سب کچھ ہے جو اس مرتبہ کی نظموں میں ہوتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ سب کچھ ہے جو اس مرتبہ کی نظموں میں ہونا چاہئے۔ یقیناً حفیظ اپنے بیان کردہ مقصد میں کامیاب ہے جن لوگوں نے شاہنامہ کے کچھ حصص بھی سُنے ہیں اُن کے لئے یہ دعوے تحصیلِ حاصل ہے۔ وہ دل بہت ہی سنگین ہو گا جسے یہ آتشیں تیر نہ برما سکیں!

تاثیر

عرضِ حالِ مصنّف

آج میں اپنی ناچیز کوشش کا دوسرا ثمر قوم کے دربار میں پیشکش کرتا ہوں۔ ساتھ ہی معافی چاہتا ہوں کہ دوسری جلد کے طلبگاروں کو توقع سے زیادہ انتظار کرنا پڑا یعنی پورے چار سال +

شاہنامۂ اسلام کی جلد اوّل کی طرح یہ جلد بھی دو ہزار سے کچھ زیادہ اشعار پر مشتمل ہے۔ مطالعہ کرنیوالے اصحاب اسکو دو تین ساعت میں ختم کر ڈالیں گے۔ اے کاش ان میں کچھ ایسے بھی ہوں جو ایک کمزور نحیف اور دائم المرض وجود کا بھی تصور کریں۔ جو ان حروف کو یکجا کرنے کی ادھیڑ بن میں گھلتا رہا ہے! اور جو مطالعہ کرنے والوں سے دعائے خیر کے سوا اور کسی بات کا طالب نہیں۔

در انتظارِ ہُما دام چیدہ ام بنگر دمید دانہ و بالید و آشیاں گہ شد

یہاں ایک سوال کا جواب بھی ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ اگر کارگذاری کی رفتار یہی رہی۔ تو تاریخ اسلام کا تمام سلسلہ کس طرح اور کتنی مدت میں نظم ہو سکے گا؟

گذارش یہ ہے کہ دوسری جلد کی تکمیل میں جو التوا ہُوا اُسکے دو سبب ہیں۔ پہلا سبب بعض ناگہانی حادثات ہیں جن میں سب سے بڑا حادثہ میری بچی ارشاد بتول کی مرگِ ناگہاں تھی۔ اِس واقعہ کی روداد سے چونکہ میرے سوا کسی کو دلچسپی نہیں اس لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ یہ ذہین لڑکی جو مدرسہ بنات جالندھر میں کلام مجید پڑھتی تھی۔ اور جس سے آیندہ مجھے اپنے کاموں میں امداد کی توقعات تھیں۔ ایک روز اچانک گھر کے کنوئیں میں گر گئی اور جانبر نہ ہو سکی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون +

یہ واقعہ اکتوبر ۱۹۲۹ء میں پیش آیا۔ جبکہ میں جلد اوّل کی طباعت سے فارغ ہُوا تھا۔ حادثہ کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ ایک عرصہ کے لئے میرا دماغ ماؤف ہو گیا۔ میں اپنی کمزوری کا معترف ہوں۔ واقعی مجھے اتنا اثر پذیر ہونا نہیں چاہئے تھا مگر

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت

اِس حالتِ بیدلی میں بعض احباب کے مشورہ سے پھر وطن کو خیرباد کہہ کر لاہور کا رُخ کرنا پڑا۔ مگر بجھی ہوئی

طبیعت کو لاہور کی چہل پہل میں سکون نصیب نہ ہو سکا اور میں لاہور کے قریب اس نئی آبادی (ماڈل ٹاؤن) میں بسنے پر مجبور ہوا۔ خیال تھا کہ یہ ایک گوشۂ سکون ہے۔ یہاں میں شاہنامے کے کام کو اطمینان سے انجام دے سکوں گا۔ لیکن بدقسمتی اور طبیعت کی اُفتاد۔ ہر زمیں کہ رسید یم آسماں پیداست

اِس میں شک نہیں کہ کام بھی بہت ہی مشکل تھا لیکن فضول جھگڑے بکھیڑے بھی پیش آتے رہے ذہنی تفکرات کے علاوہ جسمانی امراض نے بھی حفیظ کے جھونپڑے کو خانۂ انوری سمجھ لیا خیر مذکورہ بالا موانع تو عارضی اور ہنگامی تھے جن پر آخر کار قابو حاصل کر لیا گیا۔ لیکن کام میں التوا کی دوسری وجہ مستقل ہے۔ یہ ایک ایسا عقدہ ہے جس کو میرا ناخنِ تدبیر وا نہیں کر سکا۔ بہت کوشش کی کہ کسی طرح یہ مشکل آسان ہو۔ لیکن تا حال اِس اُلجھن سے نکلنے کی کوئی صُورت پیدا نہیں ہوئی +

بات یہ ہے کہ میرا کام صرف تصنیف تک محدود رہنا چاہئے تھا یعنی شاہنامۂ اسلام کی منظوم تکمیل اور بس، اگر ایسا ہوتا تو یقیناً میں ہر سال کے اختتام پر دو ہزار اشعار کی ایک جلد ملّت کے حضور میں پیش کر سکتا +

لیکن افسوس مجھے تو اس کو چھاپنا، نہ صرف چھاپنا بلکہ فروخت بھی کرنا پڑتا ہے اور آپ نہیں جانتے۔ کہ یہ چھاپنا اور فروخت کرنا کس قدر غیر شاعرانہ باتیں ہیں! اور ان کا اہتمام ایک ایسے مصنف کیلئے جو کاروباری اہلیت نہ رکھتا ہو۔ کتنا حوصلہ فرسا، صبر آزما اور ذہنی کوفت کا مُوجب ہوتا ہے +

بعض لوگ کہیں گے کہ پھر کیوں یہ کام کسی ایسے طابع اور ناشر کے سپرد نہیں کر دیا جاتا جو اپنے حق المحنت کے عوض اس مہم کو انجام دے دیا کرے +

میں جواب دونگا کہ کوئی ایسا طابع اور ناشر بتائیے جو تصنیف کے ساتھ مصنف کی جان کا بھی گاہک نہ ہو + پھر جس مصنف کو ایک لمبی مدت تک کام کرنا مدِ نظر ہو وہ کیا کرے۔ ظاہر ہے کہ شاہنامۂ اسلام ایک دو حصّوں تک محدود نہیں ہے۔ خدا عمر اور توفیق ارزانی فرمائے تو ارادہ ہے کہ تاریخ اسلام کے تمام مہتم بالشان کارناموں پر احاطہ کیا جائے۔ لہٰذا اس کے لئے ضروری ہے کہ جسم وجان کا ربطِ باہمی قائم رہے اور جسم وجان میں ربط قائم رکھنے کے لئے صرف ہوا پھانک لینا کافی نہیں +

لیکن شاہنامۂ اسلام کے مصنف کو تو آج تک جتنے طابع و ناشر ملے وہ کتاب لیکر صرف ہوا کھانے ہی کی اجازت دیتے رہے۔ لہٰذا میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں کہ

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ

کے مصداق کتاب لکھوں۔ اور دُنیا کو سناؤں۔ پھر اس کی طباعت کیلئے مالی ذرائع مہیا کروں۔ طبع ہو جائے تو ایک ایک کر کے فروخت کیا کروں ـــــ اور یہ چکر چلتا رہے +

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا۔ کہ حوصلہ افزا قبولیت کے باوجود کام میں سست رفتاری کا اصلی باعث کیا ہے + ہاں میری کتاب کی قدر دانی حوصلہ افزا ہے۔ لیکن قدر دانوں تک کتاب کا پہنچانا کافی وقت چاہتا ہے۔ اور یہی وقت ہے جو صرف تصنیف پر خرچ ہونا زیادہ مناسب تھا +

میں ابنائے زمانہ کی ناقدری کا شکوہ سنج نہیں ہوں کیونکہ جہاں جہاں میں اِس جنس کو پہنچا سکا جوش خلوص کے ساتھ قبول کی گئی! البتہ مجھے شکوہ اُن انجمنوں سے ہے۔ جو اسلامی مدارس کو چلا رہی ہیں جن میں سے اکثر چندہ فراہم کرنے کیلئے شاہنامۂ اسلام اور شاہنامۂ اسلام کے مصنف کو تو استعمال کر لیتی ہیں لیکن اُنکے اربابِ اقتدار کو آجتک یہ توفیق نہیں ہوئی کہ شاہنامۂ اسلام کو اپنے مدارس کے دینی نصاب میں شامل کر لیں۔ حالانکہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے اجلاس منٹگمری نے ایک قرارداد کے ذریعہ اُن کو توجہ بھی دلائی تھی +

اگر یہ محترم حضرات اس طرف متوجہ ہوں اور شاہنامۂ اسلام کو دینی نصاب مقرر کر لیں تو اِس کاوش کا اصل مقصد بھی بڑی حد تک پورا ہو جائے۔ یعنی کتاب کے مطالب طالب علمی ہی کے زمانہ سے نونہالان قوم کے ذہن نشین ہو جائیں! ور یہ حرارت ایک مدت تک دلوں کو گرماتی رہے۔ دوسری طرف مصنف کو کتاب کی تکمیل کو چھوڑ کر فکرِ معاش میں زیادہ وقت ضائع کرنا اور اتنا سرگرداں نہ ہونا پڑے اور اطمینان کے ساتھ ایک گوشے میں بیٹھ کر شغل تصنیف میں منہمک رہے۔ نیز چونکہ کتاب کافی تعداد میں نکلے۔ لہٰذا قیمت بھی کم کر دی جائے لیکن

خانۂ شرع خراب است کہ اربابِ صلاح در عمارت گریِ گنبدِ دستارِ خودند

میرا خیال ہے کہ اب میں التوائے کار کے اسباب عرض کر چکا ہوں۔ اِس وقت کتاب کے دونوں حصّے آپ کے پیشِ نظر ہیں۔ اگر یہ کام آپ کو ملّت کے لئے کسی حد تک مفید معلوم ہو۔ تو فیصلہ کیجئے کہ اس کو جلد مکمل ہونا چاہئے یا بدیر +

اگر کتاب کا جلد جلد منزلِ تکمیل تک پہنچنا ضروری قرار دیا جائے تو اس کی فقط ایک ہی صورت ہے وہ

یہ کہ طباعت اور اشاعت دونوں سے مجھے سبکدوش کر دیا جائے! ور کتاب کے قدردان چاہیں تو ایک چھوٹا سا ادارہ اسکی اشاعت کیلئے ترتیب دے لینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔
بصورت دیگر میں تو اپنا فریضہ ادا کر ہی رہا ہوں۔ کام جس طریق سے ہو رہا ہے ہوتا رہے گا۔ انشاءاللہ۔

حفیظ جولائی ۱۹۳۳ء

شکایت

اس جلد کی پہلی اشاعت کے وقت میں نے اُن عالی ہمت قدردانوں کا شکریہ ادا کیا تھا جنہوں نے میرے کام میں کسی نہ کسی طریق سے امداد فرمائی تھی۔ میں آج بھی ان کا شکرگزار رہوں اور انشاءاللہ وہ مجھے احسان فراموش نہیں پائیں گے۔

آج یہ کتاب دوسری مرتبہ طبع ہو رہی ہے۔ لیکن میں مجبور ہوں کہ اس سلسلے میں جن حضرات نے مجھے عمداً نقصان پہنچایا اُن کی شکایت بھی کروں۔ صرف اس لئے کہ یہ بات یادگار رہ جائے کہ اس کتاب کے نالائق مصنف کو اپنے راستہ میں کیسے کیسے ہمسفر ملے۔

مختصر یہ کہ اس جلد کی طباعت جس مطبع میں ہوئی تھی اُس نے مصنف کو اچھا خاصا نقصان پہنچایا —— اس جلد کے نئے ایڈیشن کی جلد بندی کیلئے مصنف کے ایک دوست نے ایک جلدساز کی ان الفاظ میں سفارش کی کہ "یہ غریب مسلمان ہے جلد بندی کا کام اسکو دیجئے گا" یہ سفارش دردمندی سے کی گئی تھی۔ میں نے تعمیل ارشاد کی۔ مگر ان غریب مسلمان صاحب نے اس کام میں دغابازی کی انتہا کر دی۔ اور سفارش کرنیوالے دوست نے مصنف کے ہزار ہا روپیہ کا نقصان دیکھتے ہوئے بھی تغافل اختیار کئے رکھا۔

چند عظیم الشان مسلم ادارات تعلیم نے اور چند "رہنما قسم کے" بڑے بڑے آدمیوں نے مصنف سے سینکڑوں کی تعداد میں کتابیں منگائیں۔ مگر قیمت چندہ کی طرح ڈکار گئے۔ اگر مصنف ان حضرات اور ان ادارات کا نام لے دے تو بڑی لے دے ہو۔ لیکن غریب مصنف صرف یہ مختصر آپ بیتی ہی سنانے پر اکتفا کرتا ہے! ور دعا کرتا ہے کہ خدا ان سب کا بھلا کرے۔

حفیظ فروری ۱۹۳۷ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سخنہائے گفتنی در پیرایۂ سرگذشتِ مصنف

مسجد و مکتب

ابھی لوری نہ دی تھی جنبشِ دامانِ مادر نے ۔۔۔ کہ دل گرما دیا تھا نعرۂ اللہ اکبر نے

نہ الٹا تھا ابھی مضمونِ طفلی کا ورق میں نے ۔۔۔ لیا تھا بائے بسم اللہ سے پہلا سبق میں نے

ابھی ملبوسِ گویائی نہ تھا پوری طرح پہنا ۔۔۔ کہ سیکھا تھا زباں نے قُل ھُوَ اللّٰہُ اَحَد کہنا

وظیفہ تھا کلامِ پاک ہی میرے جد و اب کا ۔۔۔ دیا مجھ کو زبانِ مادری نے درس مذہب کا

پدر جس دن ہوا تھا سوئے مسجد رہنما میرا ‏ ‏ ذہن حمدِ خدا سے ہو چکا تھا آشنا میرا

میں اب مسجد میں لے جایا گیا قرآن پڑھنے کو ‏ ‏ خدا اور مصطفیٰ کی راہ میں پروان چڑھنے کو

مرا اُستاد حق آگاہ تھا مردِ مسلماں تھا ‏ ‏ پرستارِ خدا تھا پاک تھا پابندِ قرآں تھا

وہ مُسلم تھا بہت ہی صاف و سادہ تھے اصول اسکے ‏ ‏ وہ کہتا تھا خدا اک ہے محمدؐ ہیں رسول اسکے

اُسے ایمان تھا ایمان ہی کی استقامت پر ‏ ‏ فرشتوں پر کتابوں پر رسولوں پر قیامت پر

محبت نے سکھائی تھی تمیزِ خوب و زشت اُسکو ‏ ‏ نظر آتا تھا صحرائے عرب باغِ بہشت اسکو

وہ کہتا تھا محمدؐ کی محبت جانِ ایماں ہے ‏ ‏ بنائے وحدتِ ملت ہے پُشتیبانِ ایماں ہے

نظر ڈالی نہ تھی اُس نے کبھی اسبابِ زینت پر ‏ ‏ خدا رحمت کرے اُس پاکباز و پاک طینت پر

عمل تھا تابعِ فرمانِ قرآنِ شریف اُس کا ‏ ‏ رہا وقفِ ریاضت عمر بھر جسمِ نحیف اُس کا

وہ قائل تھا فقط اسلام ہی کی بادشاہی کا ‏ ‏ دیا کرتا تھا درس اطفال کو علمِ الٰہی کا

کیا تھا خدمتِ ملت کا رستہ اختیار اُس نے ‏ ‏ اِسی دُھن میں بسایا گلشنِ کُنجِ مزار اُس نے

"مبری حُبِّ رسول اللہ کی بنیاد ہے مسجد ‏ ‏ خدا آباد رکھے آج بھی آباد ہے مسجد"

تصوّر میں ہے اب تک صحنِ مسجد کا وہ نظّارا　　اُدھر اُستاد اِدھر ہم بیچ میں رحل اور سیپارا

شکستہ بوریے پر ہم سنوں کا بیٹھنا مل کر　　وہ ہر سادہ خوشی پر سب کا ہنسنا خوب کھِل کھِل کر

سبق سے پیشتر قرآں کو جھک کر چومتے جانا　　وہ کیف انگیز قرأت کے اثر سے جھومتے جانا

وہ آوازِ اذاں پر دفعتاً خاموش ہو جانا　　صفیں آراستہ کرنا ہمہ تن گوش ہو جانا

وہ ذوقِ نعت خوانی محفلِ میلاد کے نغمے　　وہ معصومانہ طفلی فطرتِ آزاد کے نغمے

مقدس تھے وہ سب سچے مقدس تھیں وہ سب باتیں　　وضو وِرد و وظائف اور نمازیں اور مناجاتیں

یہی فردوس تھا جس میں ہوئی تھی ابتدا میری

اِسی فردوس میں اے کاش ہوتی انتہا میری!

مگر اُن کی تمنائیں تھیں دنیاوی بلندی کی　　کہ اس طفلی میں اک تہمت تھی مجھ پر ہوشمندی کی

مجھے مسجد سے مکتب کی طرف تقدیر نے کھینچا　　تنازعُ للبقا کی آہنی زنجیر نے کھینچا

وہ مکتب آہ پہلا زینۂ تلقینِ بے دینی　　دکھاتے ہیں جہاں آئینۂ آئینِ خود بینی

جہاں دیتے ہیں پہلا درس مذہب سے بغاوت کا　　جہاں بوتے ہیں تخمِ اوّلیں نسلی عداوت کا

جہاں ماں باپ سے باغی کیا جاتا ہے بچوں کو
جہاں چھوٹوں کا پس خوردہ دیا جاتا ہے بڑوں کو

جہاں باقاعدہ الحاد کی تعلیم ہوتی ہے
جہاں با ضابطہ شیطان کی تعظیم ہوتی ہے

جہاں مکر و ریا کا عقلمندی نام رکھا ہے
جہاں جور و جفا کا سربلندی نام رکھا ہے

وہاں داخل ہوا میں آہ بخت سوختہ میرا!
سبق مسجد کے بھولے لٹ گیا اندوختہ میرا!

مقرر تھے یہاں استاد مجھ کو یہ سکھانے پر
کہ اب اللہ نہیں۔ اک اور حاکم ہے زمانے پر

وہ کہتے تھے ترا اسلام ہے تلوار کا مذہب
مسلمانوں سے نفرت ہے نہایت پیار کا مذہب

کہیں نام جہاد آتے تو وہ رہ رہ کے ہنستے تھے
پرانے غازیوں کو "راہزن" کہہ کہہ کے ہنستے تھے

مجھے اُن کے حضور احساس ہوتا تھا خجالت کا
کہ یہ تاریخ ہے یا تذکرہ عہدِ جہالت کا

لڑکپن کا زمانہ اور دن تھے بے شعوری کے
اسی میں ہو گئے طے مرحلے مذہب سے دوری کے

یہ دُنیا اور تھی۔ اس کے مقاصد اور تھے سارے
یہاں تہذیب تو تھی۔ طور ہی بے طور تھے سارے

یہاں قرآن نہ تھا خود ساختہ قانون تھا کوئی
یہاں مذہب نہیں اِک اور ہی مضمون تھا کوئی

یہاں قوموں کی تخریبیں تھیں یا ملکوں کی تقسیمیں
یہاں رُوحوں کی تفریقیں تھیں یا جسموں کی تنظیمیں

نہ اس مکتب میں جاتا میں نہ یوں مسموم ہو جاتا
جواب معلوم ہے کاش اُن دونوں معلوم ہو جاتا

میری رُوداد ناداں ہے افسانہ در افسانہ کہیں اُکتا نہ جائے دوستوں کی طبعِ فرزانہ
نہیں فرصت مجھے بھی قصّہ ذاتی سنانے کی مگر یہ اشناں ہے داستاں سارے زمانے کی
مثالِ عام ہے یہ اُن چمن زادانِ مکتب کی ہے جن کی روشنی طبع دشمن جانِ مذہب کی
کرو عبرت کی آنکھوں سے نئی دنیا کا نظارا نظر آتے ہیں کتنے خود غرض خود بین و خود آرا
یہ انساں ہیں مگر انساں کے نیک و بد سے بے پروا مسلماں ہیں مگر اسلام کے مقصد سے بے پروا
وہ کیا جادو ہی جس نے انکی سیرت منقلب کر دی یہ کس نے دل کے اندر اس قدر نفسانیت بھر دی
مگر کیا ہے خطا انکی مگر کیا ہے قصور ان کا نئی تہذیب کی پستی سے اُبھرا ہے شعور ان کا
انہی کے حال پر صادق ہے قولِ حضرت اکبر "ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نُور دیں کھو کر
غضب یہ ہے کہ بجھ لیتے ہیں تب جا کر چمکتے ہیں"
چلو ہذیاں ہی سمجھو میری آشفتہ بیانی کو اجازت دو کہ لاؤں اب نتیجے پر کہانی کو

ابھی عنوان ہی پیش نظر تھا نوجوانی کا — حوادث نے ورق الٹا کتاب زندگانی کا

یہ وہ دن تھے کہ گل کھلنے لگے تھے باغ ہستی میں — بہار رنگ و بو آوارہ تھی انساں کی بستی میں

جوانی آگئی عشق آگیا بیچارگی آئی — نئی وارفتگی آئی نئی آوارگی آئی

چمن زار سعادت پر گھٹائیں شعلہ ریز آئیں — رخ مغرب سے الحادی ہوائیں تیز تیز آئیں

لباس حسن میں شیطان کی پرچھائیاں دوڑیں — مذاق عاشقی بن کر میری رسوائیاں دوڑیں

نگہباں کون تھا مجھ پر یہاں جس کی نگہ ہوتی — یہ مکتب تھا کوئی مسجد نہ تھی جو سد رہ ہوتی

فقط ماں باپ نے حسرت سے دیکھا اس تباہی کو — مگر وہ روک سکتے کس طرح قہر الٰہی کو

میرے مکتب کے اُستادوں نے اتنی مہربانی کی — کہ میرے پاسبانوں ہی سے میری پاسبانی کی

یہ کارندے تھے شاید ابتلائے آسمانی کے — حوالے کر دیا مجھ کو بلائے ناگہانی کے

ہزاروں اَور ہیں جن کا یہی انجام ہونا ہے
نئی تعلیم کی تکمیل ہی ناکام ہونا ہے

پری بن کر بلا آئی اڑا کر لے چلی مُجھ کو — سرِ بازار رسوائی اُٹھا کر لے چلی مجھ کو

پرانی وحشت اچھلی تازہ مضموں ہو گیا پیدا
سوادِ نجد میں اک اور مجنوں ہو گیا پیدا

سرِ سودا زدہ سر پھوڑنے کی دھن میں چل نکلا
نیا فرہاد پتھر توڑنے کی دھن میں چل نکلا

نہ شیریں تھی، نہ لیلیٰ تھی نہ محمل تھا نہ ایواں تھا
مگر دستِ گریباں سے کوئی دستِ گریباں تھا

کہیں بحرِ سخن میں غرق ہو جانا پسند آیا
کہیں نغمے کے بازاروں میں کھو جانا پسند آیا

خیالِ خام بلبل کے خیالِ خام میں الجھا
رگِ گل میں پھنسا میں رنگ و بو کے دام میں الجھا

خیالی آبلوں کی دعوتیں دیں خارزاروں کو
زبانی ہی زبانی آگ دکھلا دی چناروں کو

کبھی ساری خدائی کا مجھے سامان حاصل تھا
کبھی ٹوٹی ہوئی تقدیر تھی ٹوٹا ہوا دل تھا

ادھر صحنِ حرم سے جانبِ بت خانہ جا نکلا
ادھر واعظ کے در پر صورتِ رندانہ جا نکلا

نہ پاسِ حق نہ خوفِ سیلیِ استاد تھا مجھ کو
نہ مسجد یاد تھی مجھ کو نہ مکتب یاد تھا مجھ کو

یہ مشتِ خاک تھی گویا بگولا جوشِ مستی کا
ہوس تھی اور میں تھا اور جھولا خود پرستی کا

کوئی سرسام تھا شاید کہ گرمایا ہوا تھا میں
کوئی آندھی تھی جس کی راہ میں آیا ہوا تھا میں

مگر یہ نشّہ بے کیف آخر بے وفا نکلا
مجھے مفلوج کر کے صورتِ موجِ صبا نکلا

غضب تھا قلزمِ امید کا چڑھ کر اُتر جانا — نہ جینا اب مجھے آساں نظر آیا نہ مرجانا

ہوس گُم ہو گئی آخر ہجومِ یاس و حرماں میں — یہ فتنہ سو گیا نیند آگئی آغوشِ طوفاں میں

ہوئی رخصت خیال و خواب کی ہنگامہ آرائی — بھری دنیا کے اندر میں تھا یا اب میری تنہائی

حباب آسا مٹے سب ولولے جوشِ جوانی کے — نتائج رہ گئے باقی خیالی لن ترانی کے

خمار آلودہ و خمیازہ کش درماندہ و خستہ — میری جرأت شکستہ تھی میری امید پابستہ

سیلابِ الحاد اور کشتیٔ ملت

کھلیں آنکھیں تو اک ہنگامۂ محشر نظر آیا — عجب سیلاب عالمگیر کا منظر نظر آیا

جدھر دیکھا نظر آئیں سکوں ناآشنا موجیں — تلاطم خیز شور انگیز آتش زیر پا موجیں

بلا کا جوش پوشیدہ تھا موجوں کی روانی میں — رواں تھیں اس طرح جیسے لگی ہو آگ پانی میں

حوادث بھی نظر آتے تھے دریائی بلائیں بھی — فلک پر چھا رہی تھیں تند و طوفانی گھٹائیں بھی

تہِ آبِ معاصی تھیں نئی دنیا کی ایجادیں — دہائی دے رہی تھیں ڈوبنے والوں کی فریادیں

جنہیں بحرِ گنہ گاری میں ذوقِ تہ نشینی تھا — نظر آیا۔ کہ اُن کا ڈوب جانا اب یقینی تھا

نظر آیا ہمیں اک کشتی میں ہوں کشتی ہے بوسیدہ — سواروں اور ملاحوں کے ہاتھوں سے زیاں دیدہ

یہ کشتی ایک رحمت تھی اخوت نام تھا اس کا — بشر کو غرق ہونے سے بچانا کام تھا اس کا

ہزاراں در ہزاراں ابتلائیں اس نے جھیلی تھیں — تھپیڑے اس نے کھائے تھے جفائیں اس نے جھیلی تھیں

یہ ہر سیلاب تیری تھی ہر طوفاں سے نکلی تھی — نئی جرأت نئے ارماں نئے ساماں سے نکلی تھی

اُٹھایا بار اس نے ہر بلائے ناگہانی کا — دکھایا معجزہ ہر بار اس نے اپنے بانی کا

حوادث کے مقابل میں دکھایا تھا کمال اس نے — گذارے تھے ہزار و سہ صد و پنجاہ سال اس نے

اخوت کی یہ کشتی مستعد تھی کام پر اب بھی — رواں تھی رحمۃ للعلمین کے نام پر اب بھی

مگر واحسرتا اس وقت غفلت تھی سوار اس پر — مسلط ہو گئے تھے خود غرض اربابِ کار اس پر

یہ اس کشتی کے تختے توڑ کر سیکھے تھے تیراکی — یہ اس کشتی میں روزن کر کے منواتے تھے چالاکی

دل ان کے ہو گئے تھے سخت تر فولاد و آہن سے — یہ اکثر تاپتے تھے آگ اسی کشتی کے ایندھن سے

تکلف بر طرف میں بھی انہی کے ساتھ شامل تھا — انہی لوگوں کا تابع تھا۔ اسی غفلت پہ عامل تھا

ہم اِس کشتی میں تھے۔ دریائے بے پایاں میں تھی کشتی
ہوائے تند میں سیلاب میں طوفاں میں تھی کشتی

ہم اِس طوفاں کی زد پر تھے مگر بے فکر و بے غم تھے
بلائے خارجی طوفاں بلائے داخلی ہم تھے

بائے جانِ ہستی تھی ہماری یہ تن آسانی
"چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی"

ٹوٹی ہوئی کشتی کا ملّاح

تلاطم کی یہ طغیانی حوادث کی یہ بے باکی
معاذاللہ یہ دہشت یہ منظر کی غضبناکی

"شبِ تاریک بیمِ موج، گردابے چنیں حائل"
نہنگانِ اجل کی نیتیں بیداد پر مائل

غضب تھا اِک شکستہ ناؤ کا منجھدار میں پھنسنا
وفا کی سسکیاں قسمت کا رونا موت کا ہنسنا

فقط اِک "سرپھرا" ملّاح طوفانوں سے لڑتا تھا
ہوا کے آب کے جنّوں سے شیطانوں سے لڑتا تھا

اگرچہ ناؤ میں انبوہ در انبوہ انساں تھے
یہ سب ملّاح کے ہم قوم تھے یعنی مسلماں تھے

یہ سب تھے عقل و جرأت میں ارسطو اور سکندر
مگر آرام سے لیٹے ہوئے تھے ناؤ کے اندر

چلی جاتی تھی کشتی خشمگیں موجوں سے ٹکراتی
ابھرتی بیٹھتی - دبتی دباتی اور چکراتی

کہیں گرداب کے منہ میں کہیں پرشور دھاروں پر
کبھی اسکے اشارے پر کبھی اسکے اشارے پر

ہوا کے دوش پر خونخوار عفریتوں کی فوجیں تھیں
پہاڑ اٹھ اٹھ کے ٹکراتے تھے یا پانی کی موجیں تھیں

فلک پر بے تحاشا دوڑتے تھے ابر کے گھوڑے
کڑکتی بجلیاں برسا رہی تھیں آتشیں کوڑے

اڑا کرتے ہیں صدموں سے جگر کے جس طرح لختے
اکھڑتے جا رہے تھے رفتہ رفتہ ناؤ کے تختے

تعجب ہے کوئی پروا نہیں تھی ناؤ والوں کو
کہ طوفاں میں نظر آتی تھی خامی "باکمالوں" کو

انہیں معلوم تھا گرداب نے کشتی کو گھیرا ہے
گھڑی بھر میں یہ بیڑا اب تیرا ہے نہ میرا ہے

انہیں دعوے تھے بحر زندگی میں ناخدائی کے
انہیں گر یاد تھے گرداب میں مشکلکشائی کے

یہ طوفانوں پہ کر سکتے تھے لچھے دار تقریریں
دکھا سکتے تھے تقریروں میں طوفانوں کی تصویریں

ہوا کا رخ ذرا بدلے تو سب کچھ جان جاتے تھے
نہ دریا نہنگوں کی نظر پہچان جاتے تھے

یہ سب جو پاؤں پھیلائے ہوئے کشتی میں لیٹے تھے
پرانے ناخداؤں اور ملاحوں کے بیٹے تھے

مگر وہ "سر پھرا ملّاح" تنہا تھا اکیلا تھا ‏ اِدھر موجوں کی شدّت تھی اُدھر پانی کا ریلا تھا

وہ چلّاتا تھا۔ اُٹھو بھائیو۔ آؤ۔ اِدھر آؤ ‏ ذرا ہمّت دکھاؤ دست و بازو کام میں لاؤ

ہوائیں اُڑ چکی ہے دھجّی دھجّی بادبانوں کی ‏ شکستہ ہو چکی ہے ناؤ۔ مانگو خیر جانوں کی

اُکھڑ جائیں گے تختے۔ آؤ ان کو تھام لو آکر ‏ سلامت ہیں جو کچھ اوزار ان سے کام لو آکر

اِدھر سیلاب بپھرا آتا ہوا معلوم ہوتا ہے ‏ اِدھر گرداب بل کھاتا ہوا معلوم ہوتا ہے

نہیں ہنگام سونے کا کھڑے ہو جاؤ تن جاؤ ‏ حوادث کے مقابل آہنیں دیوار بن جاؤ

مبادا ناؤ اب کے اور بھی کمزور ہو جائے

بہ گرداب بلا شاید دہانِ گور ہو جائے

وہ چلّایا۔ وہ چیخا منّتیں کیں آہ و زاری کی ‏ مگر بے سود تھا سب کچھ کسی نے بھی نہ یاری کی

نہ آمادہ ہوا کوئی بھی جرأت آزمائی پر ‏ سبھی ہنستے رہے ملّاح کی "ہرزہ سرائی" پر

بلاتا تھا وہ نامِ غیرتِ اسلام لے لے کر ‏ جھڑک دیتے تھے لیکن سب اسے دشنام دے دے کر

مگر ملّاح اپنے فرض کا احساس رکھتا تھا ‏ وہ اپنے ساتھیوں کی آبرو کا پاس رکھتا تھا

اُسی نے جسم پر کھائے تھپیڑے تُند موجوں کے — اُسی کے ساتھ ٹکرائے ہوائے تیز کے جھونکے

وہ اپنی جان پر سہتا رہا سہتا رہا تنہا — اُٹھو ہمّت کرو!! کہتا رہا۔ کہتا رہا تنہا!

مگر ہنستے رہے ہنستے رہے غفلت کے شیدائی — اسی کشتی کے ہمراہی۔ اسی ملّاح کے بھائی

اُدھر بڑھتی رہی۔ بڑھتی رہی دریا کی طغیانی — اِدھر گھٹتی رہی گھٹتی رہی توفیقِ انسانی

شکستہ ناؤ کا ملّاح بے دم ہو گیا آخر — بڑھا کر حوصلہ تن میں لہو کم ہو گیا آخر

گرا دریا میں چپّو۔ ہاتھ سے پتوار بھی چھُوٹی — شکستہ ہو گئے بازو۔ مگر ہمّت نہیں ٹوٹی

وہ کشتی کے محافظ ڈھونڈتا تھا اب بھی یاروں میں — انہیں تاکید کرتا تھا اشاروں ہی اشاروں میں

مگر اس کے اشاروں کو سمجھ سکتا نہ تھا کوئی
سمجھ سکتا بھی ہو تو اس طرف تکتا نہ تھا کوئی

تھکن کا ہو رہا تھا اب اثر آہستہ آہستہ — لگا جھکنے وہ سر افراز سر آہستہ آہستہ

وہی سر جو ہواؤں سے نہ طوفانوں سے جھکتا تھا — نہ فرعونوں سے جھکتا تھا نہ ہامانوں سے جھکتا تھا

نہ جھکتا تھا کبھی میر و وزیر و شاہ کے آگے — وہ سر اک مرتبہ پھر جھک گیا اللہ کے آگے

تعجب سے ردائے ابر میں سے برق نے جھانکا
کہ یہ اک آخری سجدہ تھا اُس مردِ مسلماں کا

شکستہ ناؤ میں طوفان کی اس چیرہ دستی میں
وہ اپنا فرض پورا کر چکا تھا بحرِ ہستی میں

خدا کی راہ میں خلقِ خدا کا رہنما بن کر
خود اپنی ناؤ میں ڈوبے ہوؤں کا ناخدا بن کر

تمسخر ساتھیوں کے اور غیروں کے ستم سہنا
مگر ازابتدا تا انتہا ثابت قدم رہنا

میری آنکھوں نے پہلی مرتبہ یہ ماجرا دیکھا
ادائے فرض اپنے رنگ میں جلوہ نما دیکھا

اندھیری رات تھی۔ اندھیر برپا تھا سفینے میں
مگر اک روشنی سی مَیں نے پائی اپنے سینے میں

شعاعِ نورِ حسن سے عشق کی گرمی ہویدا تھی
میرے دل میں اُسی ملّاح کی صورت سے پیدا تھی

مگر ہمت نے بے حس کر دیئے تھے دست و پا میرے
تحفظ کشتیٔ بشکستہ کا بس میں نہ تھا میرے

زباں قابو میں تھی اک داستاں یاد آ گئی مجھ کو
سُنی تھی صحنِ مسجد میں یہاں یاد آ گئی مجھ کو

وہی تاریخ جس کو صدق کا آئینہ کہتے ہیں
نئی تہذیب کے بندے جسے پارینہ کہتے ہیں

خدا کے نام سے خوابیدہ بختوں کے جگانے کو
ہُوا میں لب کشا افسانۂ ماضی سنانے کو

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شاہنامۂ اسلام

جلد دوم

بابِ اول

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

معرکۂ بدر[1]

فضائے بدر کو اک آپ بیتی یاد ہے اب تک
یہ وادی نعرۂ توحید سے آباد ہے اب تک

مہ و انجم یہ اس مٹی کے ذرے مسکراتے ہیں
زبانِ حال سے ماضی کے افسانے سناتے ہیں

پلٹ کر اس جگہ شیطان آیا ہی نہیں اب تک
فرشتوں کی زیارت گاہ ہے یہ سرزمیں اب تک

---

[1] بدر مدینے سے ۸۰ میل کے فاصلے پر ایک وادی ہے یہ مقام اس نقطہ کے قریب ہے جہاں مکے سے شام اور مدینے جانے کا رستہ دشوار گذار گھاٹیوں میں سے ہو کر نکلتا ہے۔

یہاں ہر صبح روشن پرتوِ خورشید ایماں سے | یہاں ہر شام رنگیں غازۂ خُونِ شہیداں سے
جو دیکھا اسکی آنکھوں نے وہ کب افلاک نے دیکھا | حق و باطل کا پہلا معرکہ اس خاک نے دیکھا
میرے پیشِ نظر کوئی کہانی ہے نہ قصّہ ہے | یہ قرآنی بیاں تاریخ کا زرّین حصّہ ہے[۵۱]
خدا کے بالمقابل جمع کرکے اِک خدائی کو | اُٹھے تھے پہلوانانِ عرب زور آزمائی کو[۵۲]
قریشی فوج کو لیکر چلا شیطان مکّے سے[۵۳] | مدینے کی تباہی کو اُٹھا طُوفان مکّے سے
یہ مشرک جارہے تھے حق پرستی کے مٹانے کو | یہ آندھی چل رہی تھی شمع ہستی کے بجھانے کو

---

۵۱ قرآنِ پاک کی شہادت کا دوست دشمن :: عتراف ہے۔ ہم مسلمان تو خیر اس پر ایمان رکھتے ہیں اغیار کے بیانات ملاحظہ ہوں سر ولیم میور لکھتا ہے۔ اسلام اور بانیٔ اسلام کے متعلق تاریخی تحقیقات کرنے کے لئے قرآن ایک سنگِ بنیادی ہے جس سے ہر واقعہ کی صحت جانچی جاسکتی ہے (لائف آف محمد صلے اللہ علیہ وسلم) پھر لکھتا ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرت معلوم کرنے کے لئے قرآن ایک سچا آئینہ ہے۔ پھر لکھتا ہے۔ بانیٔ اسلام کے سوانح حیات کے لئے قرآن ایک یقینی کلید ہے۔ پروفیسر نکلسن عرب کی تاریخ ادب میں لکھتا ہے۔ اسلام کی ابتدائی تاریخ کا علم حاصل کرنے کے لئے قرآن ایک بے نظیر اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا کتاب ہے۔

۵۲ دیکھو شاہنامہ اسلام جلد اوّل صفحہ ۲۶۳

۵۳ اِذْ زَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَھُمْ (سورۂ انفال رکوع ۶)

یہ شمشیریں یہ خنجر یہ تبر یہ تیر یہ بھالے
یہ سب مردانِ جنگی اونچی اونچی کلغیوں والے

یہ آہن پوش اسوار اور زرہ پہنے ہوئے گھوڑے
یہ ریشم کی کمندیں لوہے میں گوندھے ہوئے کوڑے

یہ اونٹوں کی قطاریں۔ یہ رسد۔ یہ خیمہ خرگاہیں
ہزار انسان جن کے خوف سے مسدود تھیں راہیں

یہ مکّے سے چلے تھے اور مدینے پر چڑھائی تھی
اِدھر نامِ خدا تھا۔ اُس طرف ساری خدائی تھی

لشکرِ اسلام کا وُرود

زمینِ بدر تک جب آ گیا سَیلِ سیہ کاری
مدینے سے اُٹھا نورِ خدا ابرِ ضیا باری

مُبارک جمعہ کا دن سترھویں تھی ماہِ رمضاں کی[۲]
شہادت گاہ میں فوج آ ہی پہنچی اہلِ ایماں کی

عجب انداز سے آئے خُدا کے چاہنے والے
زبانیں خشک پوشاکیں دریدہ پاؤں میں چھالے

سلہ ایک ہزار جانباز بہادروں کی خونخوار فوج لے کر جن کی سواری میں سات سو اونٹ اور تین سو گھوڑے تھے ابوجہل آگے بڑھا۔ (رحمۃ للعالمین)

سلہ ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ تین سو تیرہ جان نثاروں کے ساتھ مدینے سے نکلے۔ ردد منصرف۔ ذات ابذال۔ معلاۃ۔ ایثل سے گذرتے ہوئے ۱۷ ماہ رمضان کو بدر کے قریب پہنچے (سیرت النبی صفحہ ۲۹۴)

یہ اس قربان گہ میں آج پیدل چل کے آئے تھے | نہا کر اوس میں اور دھوپ میں جل جل کے آئے تھے

نہ انکے پاس تلواریں نہ انکے پاس ڈھالیں تھیں | نہ غلّہ انکے اونٹوں پر نہ پانی کی پکھالیں تھیں

عَلَم خورشید کا انکے سروں پر سایہ افگن تھا | کہ یہ ایک ایک چہرا نورِ عرفانی کا مخزن تھا

مئے وحدت سے قلبِ مطمئن سرشار تھا ان کا | کہ سردارِ دو عالم قافلہ سالار تھا ان کا

انہی کا فرض تصویرِ وفا میں رنگ بھرنا تھا | رگِ ہستی کو اپنے خون سے سیراب کرنا تھا

نہیں تھا تین سو تیرہ سے آگے تک شمار ان کا | سنا یہ ہے کہ ان کے ساتھ تھا پروردگار ان کا

حدّت کی شدّت

یہ اس میدان کا خشک اور ریتیلا کنارا تھا[1] | نگاہِ ابرِ رحمت کا اسی جانب اشارا تھا

قدم ٹکنے نہ دیتی تھی زمیں پر دھوپ کی گرمی | قدم آگے بڑھانے میں تھی مانع ریت کی نرمی

اڑی جاتی تھی ریگِ دشت گرمی سے ہوا ہو کر | زمیں پر بچھ گئی تھی دھوپ آتش زیرپا ہو کر

---

[1] چونکہ قریش پہلے پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے مناسب موقعوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ بخلاف اسکے مسلمانوں کی طرف کنواں تک نہ تھا۔ زمین ایسی ریتیلی تھی کہ اونٹوں کے پاؤں دھنس دھنس جاتے تھے (سیرت النبی ۲۹۵)

ہوا سیماب مٹی ماہیِ بے آب تھی گویا
شفنما بارانِ رحمت کیلئے بیتاب تھی گویا

صحرا کی دُعا

یہ تشنہ لب جماعت جب یہاں پر رُک گئی آکر
دُعا کی دامنِ صحرا نے دونوں ہاتھ پھیلا کر

کہ "اے صحرا کو آتشناک چہرا بخشنے والے
رخِ خورشید کو کرنوں کا سہرا بخشنے والے

ازل کے دن سے اب تک بھاڑ میں پھنتا رہا ہوں میں
صدائے رعدِ باراں دُور سے سنتا رہا ہوں میں

ہُوا ہوں جب سے پیدا جان پانی کو ترستی ہے
مرے سینے کے اوپر آگ کی ہیلی برستی ہے

میں سمجھا تھا مقدر ہو چکی ہی دُھوپ کی سختی
مری قسمت میں لکھی جا چکی ہے سوختہ بختی

بنایا رفتہ رفتہ سخت میں نے بھی مزاج اپنا
لیا ہر آبلہ پا سے زبردستی خراج اپنا

خبر کیا تھی الٰہی ایک دن ایسا بھی آئے گا
کہ تیرا ساقیٔ کوثر یہاں تشریف لائے گا

اگر یہ بات پہلے سے مجھے معلوم ہو جاتی
مرے دل کی کدورت خودبخود معدوم ہو جاتی

خبر کیا تھی یہاں تیرے نمازی آکے ٹھیریں گے
شہید آرام فرمائیں گے غازی آکے ٹھیرینگے

خبر کیا تھی ملے گی یہ سعادت میرے دامن کو | بنایا جائے گا فرشِ عبادت میرے دامن کو

خبر ہوتی تو میں شبنم کے قطرے جمع کر رکھتا | چھپا کر ایک گوشے میں مصفّا حوض بھر رکھتا

وہ پانی ان مقدّس مہمانوں کو پلا دیتا | میں اپنی تشنگی دیدارِ حضرت سے بجھا لیتا

میرے سر سے گزرا نوح کے طوفان کا پانی | تاسّف ہے کہ مجھ سے ہو گئی اُس وقت نادانی

اگر کرتا میں اُس پانی کی تھوڑی سی نگہداری | تو ہو جاتا میری آنکھوں سے چشموں کی طرح جاری

یہ ستّر[۱] اونٹ دو گھوڑے یہاں سیراب ہو جاتے | مجاہد بھی وضو کرتے نہاتے غسل فرماتے

حضورِ ساقیٔ کوثر میری کچھ لاج رہ جاتی | میری عزّت میری شرمِ عقیدت آج رہ جاتی

تیرے محبوب کے پیارے قدم اس خاک پر آئے | الٰہی حکم دے سورج کو اب آتش نہ برسائے

اگر اب میرے دامن سے ہوائے گرم آئے گی | تو مجھ کو رحمۃ للعلمیں سے شرم آئے گی

جلیل الشان مہمانوں کا صدقہ مہربانی کر | عطا بہرِ وضو ان کیلئے تھوڑا سا پانی کر

برائے چند ساعت ابرِ باراں بھیج دے یا رب | بہاراں بھیج دے یا رب بہاراں بھیج دے یا رب

۱؎ بدر میں تیرہ سو مجاہدینِ اسلام کے ساتھ بقولِ بعض ساٹھ اونٹ اور بقولِ بعض ستر اونٹ تھے اور صرف دو گھوڑے تھے۔

بارش کا نزول[1]

دُعا صحرا نے مانگی دامنِ امید پھیلا کر
یکایک ابرِ باراں آسماں پر چھا گیا آ کر

انہی کی منتظر تھی غالباً شانِ الٰہی بھی
کہ پیاسے تھے محمدؐ بھی محمدؐ کے سپاہی بھی

کرم کی شان وابستہ اسی شانِ کرم سے تھی
یہ رحمت رحمۃ للعٰلمینؐ کے دم قدم سے تھی

مدینے کی بلندی سے جو رحمت کی گھٹا آئی
تو استقبال کو فردوس کی ٹھنڈی ہوا آئی

یہ ریگستاں۔ کہ اِک اِک بوند پانی کو ترستا تھا
اسی پر آج بادل چھا گئے تھے مینہ برستا تھا

برس کر کھل گیا بادل زمیں پر پھر گیا پانی
ہوئی اب چلنے پھرنے بیٹھنے اُٹھنے میں آسانی[2]

ہُوئی ٹھنڈی نزولِ آب سے چھاتی بیاباں کی
تو اُتری آ کے فرشِ ریگ پہ فوجِ اہلِ ایماں کی

کھُلے میدان میں سچے نبیؐ کا آستانہ تھا
کہ خاکی فرش تھا اور لاجوردی شامیانہ تھا

---

[1] وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ (انفال) اور آسمان سے پانی برس رہا تھا۔ کہ تم کو پاک کرے۔

[2] تائیدِ ایزدی اور حسنِ اتفاق سے مینہ برس گیا جس سے گرد جم گئی۔

جستجوئے غنیم

نزولِ آب سے تسکین و راحت ہو گئی طاری[۱] — مٹی تشنہ لبی گردِ کدورت دھل گئی ساری

سپاس و شکر سے لبریز تھا دل اس جماعت کا — بنا کر حوض پانی بھر لیا بارانِ رحمت کا[۲]

بنایا اک عریشہ[۳] پھوس کا اربابِ ہمت نے — قیام اس میں کیا بہرِ دعا فخرِ رسالت نے

اسی کے گرد اتری یہ جماعت بے نواؤں کی — شہنشاہوں پہ خندہ زن تھیں تقدیریں گداؤں کی

نبیؐ نے امر فرمایا کہ دو اہلِ نظر جائیں — کہاں اتری ہوئی ہے فوجِ قریشی کی خبر لائیں

علیؓ[۴] اور سعدؓ نے بڑھ کر نظر ہر سمت دوڑائی — قریشی کافروں کی چھاؤنی چھائی ہوئی پائی

۱؎ اس پوری آیت کا مفاد بیان کیا گیا ہے۔

اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ۝ (انفال)

یاد کرو جب تمہاری تسکین کیلئے اپنی طرف سے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا۔ اور آسمان سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک کرے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور کرے اور تمہارے دل مضبوط کرے اور ثابت قدم رکھے۔

۲؎ جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لئے کہ وضو اور غسل کے کام آئیں (سیرت النبی)

۳؎ سعد ابن معاذ نے رئیس اوس کی تجویز سے ایک چھپر بنایا جسے عرب کی اصطلاح میں عریشہ کہتے ہیں (باقی حاشیہ بر صفحہ ۵۱)

پلٹ کر عرض کی فوجِ گراں[۱] معلوم ہوتی ہے
زمیں گویا حریفِ آسماں معلوم ہوتی ہے

مقامِ عدوۃ القصویٰ کا ٹیلہ اک طرف رکھ کر
ہے آسودہ خدا کے دشمنوں کا اک بڑا لشکر

ارشادِ ہادیؐ

ہوا ارشاد اب تم بھی ذرا آسودہ ہو جاؤ
وضو کر لو نمازیں پڑھ لو پھر کچھ دیر سو جاؤ

تمہارے امتحانِ اوّلیں کا وقت آیا ہے
کہ اپنے پوجنے والوں کو شیطاں گھیر لایا ہے

تمہارے سامنے اعدائے دیں موجود ہیں سارے
اگل ڈالے ہیں مکّے نے یہاں اپنے جگر پارے[۳]

خدائے پاک کا ارشاد تھا ارشادِ پیغمبرؐ
صحابہ نے کمر کھولی توکّلتُ علَی اللہ پر

لیا خورشید نے آرام گاہِ شام کا رستہ
وضو کر کے نمازی ہو گئے میداں میں صف بستہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۰) آنحضرت اور صدیق اکبر نے اسی عریشہ کے نیچے رات بسر کی (طبری و ابن ہشام)

سلہ اس وقت خبر لانے والے حضرت علی کرم اللہ اور سعد وقاص اور بقول بعض ان کے ساتھ زبیر ابن عوام تھے (ابن ہشام و طبری)

سلہ جب بدر میں پہنچے تو دیکھا کہ مکہ کا لشکر جو تعداد میں ان سے سہ گنا اور ساماں میں ہزار گنا زیادہ ہے۔ اترا ہوا ہے (رحمۃ للعلمین صفحہ ۱۰۴)

سلہ دیکھو خاتم المرسلین صفحہ ۲۰۸

سلہ آنحضرتؐ نے صحابہ سے مخاطب ہو کر فرمایا ھٰذِہٖ مَکَّۃُ قَدْ اَلْقَتْ اِلَیْکُمْ اَفْلَاذَ کَبِدِھَا ترجمہ مکّہ نے تمہارے سامنے اپنے جگر کے ٹکڑے نکال کر ڈال دیئے ہیں۔ (ابن ہشام طبری۔ زرقانی وغیرہ)

کفار کے جاسوسوں کا بیان

یہ نقشہ دیکھ کر کفار کے جاسوس بھی بھاگے
بیاں کر دی یہ صورت سربسر بوجہل کے آگے

کہ ہم کو روکنے کے واسطے کچھ لوگ آئے ہیں
محمد ان مسلمانوں کو اپنے ساتھ لائے ہیں

جو مکے سے نکل بھاگے تھے وہ سب ساتھ آئے ہیں
مدینے والے بھی کچھ لوگ خالی ہاتھ آئے ہیں

ہنسی آتی ہے شکلیں دیکھ کر ان شیر مردوں کی
کہ لشکر کیا ہے اک ٹولی سی ہے آوارہ گردوں کی

نہ جانے کون سے برتے پہ نکلے ہیں لڑائی کو
نہتے ہیں مگر آئے ہیں خنجر آزمائی کو

یہ جان و جسم کی خاطر سر و ساماں نہیں رکھتے
سر و ساماں کہاں سے لائیں جسم و جاں نہیں رکھتے

ہمارے رحم پر موقوف ہے مرگ و حیات ان کی
فقط دو تین سو افراد ہے کل کائنات ان کی

ابوجہل کا ناز و غرور

بیاں جب کر چکے جاسوس اہل اللہ کی حالت
خوشی سے کھلکھلا کر ہنس پڑا بوجہل بد قسمت

کہا خود صید چل کر آ گیا صیّاد کے آگے
چلی آئی ہیں کھنچ کر گردنیں جلّاد کے آگے

بڑے بُت نے کرشمہ اپنی قدرت کا دکھایا ہے
محمد اور اُسکے ساتھیوں کو گھیر لایا ہے

یہ کہہ کر خیمے خیمے کو دیا پیغامِ تیاری
کہ پُورا ہو چلا، اے بھیڑیو! ارمانِ خونخواری

سناتوں کو زبانوں سے زیادہ تیز کر رکھّو
نگاہوں کی طرح تیروں کو زہر آمیز کر رکھّو

خوشی کی رات کاٹو آج اپنے اپنے ڈیرے میں
کریں گے حملہ اُٹھ کر صبحِ کاذب کے اندھیرے میں

رات کا منظر

کیا خورشید نے مغرب کے گھر سامان بسیرے کا
بساطِ ارض پر قائم ہوا پہرا اندھیرے کا

سکوتِ مرگ نے شبخون مارا فوجِ ہستی پر
سپاہِ خواب قابض ہو گئی آنکھوں کی بستی پر

فضا ہنگامہ و شور و فغاں سے ہو گئی خالی
فلک پر لشکرِ سیّارگاں نے چھاؤنی ڈالی

اُفق سے چاند مشعل لے کے نکلا دیدبانی کو
اُڑھا دیں چاندنی نے چادریں خاک اور پانی کو

ارادے ساتھ لے کر سو گیا انسان کا لشکر
اُدھر شیطان کا لشکر، اِدھر رحمٰن کا لشکر

تصویر کے دو رُخ

وہاں عیش و طرب نے کر دیئے افلاک پر بستر
یہاں ان خاکساروں نے جمائے خاک پر بستر

وہاں لحم شتر بھی کشتیِ مے کی روانی بھی
برائے ساقیِ کوثر یہاں کمیاب پانی بھی

وہاں خونخوار تلواروں نے دھاریں سان پر رکھیں
نہتوں نے یہاں آنکھیں فقط ایماں پر رکھیں

وہاں چنگ و دف و رقص اور نغمے کی طرب کوشی
یہاں فکرِ خدا دل میں لبوں پر مُہرِ خاموشی

وہاں بھوکی نگاہیں باوجود فارغ البالی
یہاں آنکھوں میں استغنا مگر جیبِ شکم خالی

وہاں بوجہل محوِ استراحت خوابِ غفلت میں
یہاں اللہ کا محبوبؐ محرابِ عبادت میں

رسُولؐ اللہ کی شب بیداری

سلا کر پہلوؤں میں سب کو سوئی بدر کی وادی
نہ تھا بیدار کوئی ہاں مگر اسلام کا ہادیؐ[1]

[1] یہ رات کا وقت تھا۔ تمام صحابہ نے کھل کھول کر رات بھر آرام کیا لیکن صرف ایک ذات نبویؐ تھی۔ جو صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہی۔ سیرت النبی۔ کنز العمال غزوۂ بدر بروایت مسند ابن حنبل و ابن ابی شیبہ۔

یہی سر تھا کہ سجدہ ریز تھا درگاہِ باری میں
یہی روشن جبیں مصروف تھی طاعت گذاری میں

یہ پُرانوار آنکھیں اشک کی لڑیاں پروتی تھیں
خدا کے سامنے خلقِ خُدا کے غم میں روتی تھیں

اسی پر منحصر تھی گلشنِ ہستی کی شادابی
یہ قلبِ مطمئن تھا اور دنیا بھر کی بے تابی

پڑے تھے اک طرف افرادِ امت خوابِ راحت میں
محمدؐ کی زباں وقفِ دعا تھی فکرِ اُمّت میں

صُبحِ کاذب اور لشکرِ کفّار

ابھی روئے زمیں پر صبحِ کاذب کا دھندلکا تھا
اندھیرا گھر اگھر اتھا اُجالا ہلکا ہلکا تھا

نہ کی تھی شاہِ خاور نے ابھی اٹھنے کی تیاری
ابھی تھا آسماں پر ماہ و انجم کا سفر جاری

ابھی فرزوں نے سطحِ ریگ پر آنکھیں نہ کھولی تھیں
ابھی بُلبُل نہ چہکی تھی ابھی چڑیاں نہ بولی تھیں

یکایک سینۂ شیطاں میں اُبھرے ولولے دل کے
اٹھے تصویر کے تاریک رخ پر نقش باطل کے

اُٹھا اب صُورتِ بوجہل خونیں رنگ کا فتنہ
اسی کے بختِ خفتہ نے جگایا جنگ کا فتنہ

اُٹھے گمراہ بندے بہرِ تدبیرِ خداوندی
لگی ہونے قریشی خانوادے میں کمر بندی

ضمیر کی آواز اور صلح کی ایک کوشش

جنگ کا فتنہ

ابوسفیاںؓ بھی اب آچکا تھا، ساتھ شامل تھا
مگر بوجہل ہی اس قوم میں فرعونِ کامل تھا

بزرگی کے سبب سب کا سپہ سالار تھا عتبہؓ
کہ غیرت دار تھا، زردار تھا، سردار تھا عتبہ

اگرچہ روکتا تھا اس لڑائی سے ضمیر اسکو
مگر ہٹنے نہ دیتا تھا ابوجہلِ شریر اس کو

حکیمؓ ابن حزام اس فوج میں اک مردِ دانا تھا
کہ اس کی دُور اندیشی کا قائل اِک زمانہ تھا

ؔ۱ ابوسفیان نے جس طرح اس جنگ کی آگ بھڑکائی۔ اس کا تذکرہ جلد اول میں دیکھیے پھر جب اسکا تجارتی قافلہ خطرے سے نکل گیا تو اس نے ابوجہل وغیرہ کو کہلا بھیجا کہ اب لڑنے کی ضرورت نہیں ہم سلامت نکل آئے ہیں۔ مگر ابوجہل نے نہ مانا اور کہلا بھیجا کہ ہم بدر تک ضرور پہنچیں گے۔ وہاں تین دن رہ کر تمام عرب پر رعب ڈالنے کیلئے شوکت کا اظہار کیے بغیر واپس نہ ہونگے۔ ابوسفیان کو جب یہ پیغام ملا تو اُس نے کہا۔ یہ شخص ضرور اپنی قوم کو ہلاک کریگا۔ چنانچہ مالِ تجارت اور قافلے کو امن کی جگہ پہنچا کر ابوسفیان بھی چند آدمیوں کے ساتھ بدر کی طرف روانہ ہوا۔

ؔ۲ عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا فوج کا سپہ سالار تھا۔ (سیرت النبی)

ؔ۳ حکیم ابن حزام حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بھتیجے غزوہ بدر میں شریک تھے اس وقت تک کافر تھے عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ برس بڑے تھے اور گو زمانہ جاہلیت میں آنحضرت سے نہایت محبت رکھتے تھے اور نبوت کے بعد بھی یہ محبت قائم رہی تاہم فتح مکہ تک ایمان نہیں لائے۔ وہ روسائے قریش میں تھے۔ (سیرت النبی)

سر از ظلم و خونریزی سے اس کو کچھ ہراس آیا
اندھیرے منہ اُٹھا یہ نیک دل عتبہ کے پاس آیا

کہا اے عتبہ۔ اے سردار قوم اے فوج کے افسر
قریشی خاندانوں میں نہیں تجھ سے کوئی برتر

اگر چاہے تو اعزاز دوامی تجھ کو مل جائے
ازل کی اور ابد کی نیک نامی تجھ کو مل جائے

محمد کو اوائل عمر ہی سے جانتے ہیں ہم
وہ سچا ہے۔ دیانت دار ہے یہ مانتے ہیں ہم

ہمارے دین و مذہب سے ہی بیشک اختلاف اس کو
تو کیا اتنی خطا ہم کر نہیں سکتے معاف اس کو

محمد میں بھی عبد المطلب کا خون ہے آخر
قریش اور آل ہاشم ایک ہی مضمون ہے آخر

علیؓ۔ حمزہؓ۔ عمرؓ۔ بو بکرؓ یہ اپنے ہی بھائی ہیں
انہی سے جنگ ہے یہ سب محمد کے فدائی ہیں

ذرا سوچو جو ان کے قتل کرنے کا نتیجہ ہے
کوئی عمو۔ کوئی بھائی کوئی بیٹا بھتیجا ہے

وہ خود اپنے وطن سے دور ہیں اتنا ہی کافی ہے
غریب و مفلس و مجبور ہیں۔ اتنا ہی کافی ہے

یہ خونریزی مجھے بیجا بڑی معلوم ہوتی ہے
عزیزوں ہی کی گردن پر چھری معلوم ہوتی ہے

اگر میرا کہا مانو تو خونریزی سے باز آؤ
تحمل کی دکھاؤ شان اس تیزی سے باز آؤ

لے دیکھو سیرت النبی علامہ شبلی (صفحہ ۲۹۵)

اُٹھو تیار ہو چڑھتی ہوئی اس موج کو روکو
سپہ سالار ہو بڑھتی ہوئی اس فوج کو روکو

تمہارے ہاتھ سے یہ کام سرانجام ہو جائے
تو گویا رہتی دنیا تک تمہارا نام ہو جائے

عتبہ کا جواب

کہا عتبہ نے ہاں اے مردِ دانا سچ کہا تو نے
بظاہر میرے دل کا حال ظاہر کر دیا تو نے

مگر بے قتل و غارت فوج والے اب نہ مانیں گے
یہ بھالے برچھیاں بے دیکھے بھالے اب نہ مانیں گے

اگر یہ مان بھی لیں صلح پر تیار ہو جائیں
یہ زور آور ریکایک صاحبِ ایثار ہو جائیں

تو پھر بھی صلح اے مردِ معمّر غیر ممکن ہے
کسی صورت نہیں ممکن سراسر غیر ممکن ہے

ہمارے دوست کی فطرت سے تو واقف ہے
ابوجہل[۵۱] اس طریقِ کار کا قطعاً مخالف ہے

میں دعوے سے یہ کہہ سکتا ہوں وہ ہرگز نہ مانے گا
ہمیں ناداں سمجھے گا ہمیں نامرد جانے گا

اگر تم چاہتے ہو صلح اُس کو راہ پر لاؤ
میری جانب سے دو پیغام خود بھی جا کے سمجھاؤ

۵۱ ابوجہل کو مکّے والے ابوالحکم بھی کہتے تھے۔ اصل میں اس کا نام عمرو بن ہشام تھا۔

حکیم کا ابوجہل کو سمجھانا

حکیم اُٹھ کر یہاں سے خیمۂ بوجہل پر آیا
تو بہرِ جنگ اس کو تیر پھیلاتے ہوئے پایا

سمجھا کر اونچ نیچ اس کو لیا پھر نام عتبہ کا
بڑے لطف اور نرمی سے دیا پیغام عتبہ کا

کہا اس قتل و خونریزی کا آخر کیا نتیجا ہے
کہ عبداللہ کا بیٹا۔ تمہارا بھی بھتیجا ہے

لڑائی میں ہماری فتح ہو گی پھر بھی کیا ہو گا
کہ دامن سر بسر خونِ عزیزاں سے بھرا ہو گا

ابوجہل کی ضد اور فتنہ انگیزی

ابوجہل اور رہِ رحمت پر آ جائے کیا ممکن!
جہنم سے قدم کافر کا ہٹنے پائے ناممکن!

یہ باتیں سنتے ہی ظالم کے نتھنوں سے دھواں نکلا
یکایک فتنہ بن کر نارئ آتش زباں نکلا

پکارا اے قریش اے لات و عزیٰ کے پرستارو
سپہ سالار عتبہ ہو گیا نامرد اے یارو!

یہاں تک آ کے اب پہلو تہی کرتا ہے لڑنے سے
محمدؐ کو مقابل دیکھ کر ڈرتا ہے لڑنے سے

سمجھ جاؤ کہ بے معنی نہیں خوف و خطر اس کا
مسلمانوں میں شامل بو حذیفہؓ ہے پسر اس کا[1]

دلِ عتبہ میں اُس کے قتل کا خطرہ سمایا ہے
کہ وہ بھی آج اپنے ساتھیوں کے ساتھ آیا ہے

رُخِ عتبہ کو دیکھو چھا گئی کس قدر زردی
اسے کہتے ہیں نامردی۔ اسے کہتے ہیں نامردی!

اگر عتبہ نے ہمت ہار دی ہے۔ ہار دینے دو
اگر دیتا ہے دم تم کو سپہ سالار دینے دو

اُسے کہہ دو پہن لے چوڑیاں تلوار رہنے دے
مگر مردوں کو اپنے عزم کا مختار رہنے دے

ہم اس گرمی کے موسم میں کہاں سے آئے ہیں چلکر
یہ سارا لاؤ لشکر اس جگہ پہنچا ہے جل جل کر

یہ دن ہم نے کفِ افسوس ملنے کو نہیں کاٹے
یہ کالے کوس واپس لوٹ چلنے کو نہیں کاٹے

بڑی مشکل سے ہم نے منزلِ مقصود پائی ہے
ہماری منزلِ مقصود خنجر آزمائی ہے

نہ بچ کر جانے پائیں آج دشمن دیوتاؤں کے
یہ بندے اک خدا کے ہیں مخالف سب خداؤں کے

تمہارے دین کے دشمن کھڑے ہیں سامنے یارو
اٹھو۔ تیار ہو جاؤ۔ بڑھو حملہ کرو۔ مارو!!

شکار آیا ہوا ہے اب تمہارے ہاتھ صیادو
پچھاڑو۔ ذبح کردو۔ باڑھ تلواروں کی دکھلا دو

---

[1] عتبہ کے فرزند ابو حذیفہ اسلام لا چکے تھے۔ اور اس معرکہ میں آنحضرت کے ساتھ آئے تھے۔ اس بنا پر ابوجہل نے یہ طعنہ دیا کہ عتبہ اس لئے لڑائی سے جی چراتا ہے کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔

بجھا دو پیاس اس تشنہ زمیں کی آبِ خنجر سے
گھٹا تیغوں کی اُٹھے بجلیاں چمکیں لہو برسے

یہ سب ہیں اپنے رشتہ دار توڑو بند بند ان کا
معزز ہیں کرو نیزوں پہ رکھ کر سر بلند ان کا

لشکرِ کفار کی آمادگیٔ جنگ

یہ سُن کر ایک طوفاں آگیا دریائے لشکر میں
نکل آئے سپاہی لیس ہو ہو کر گھڑی بھر میں

سنا بوجہل کا عتبہ نے طعنہ جوش میں آیا
کمالِ برہمی سے دامنِ حق کوش میں آیا

اٹھا شعلہ تکبر کا۔ تدبر رہ گیا جل کر
کہا[1] اچھا نظر آجائے گا میدان میں چل کر

وہ بزدل کون ہے جو داغِ نامردی اُٹھاتا ہے
بہادر کون ہے جو سب سے پہلے سر کٹاتا ہے

یہ کہہ کر ہو گیا تیار عتبہ لڑنے مرنے کو
غریبوں بے گناہوں کے لہو میں ہاتھ بھرنے کو

سواروں نے پیادوں نے سنبھالے برچھیاں بھالے
سروں پر خود پہنے اور چہروں پر چِلم ڈالے

اُٹھا بانگِ دُہل کے شور سے کفّار کا لشکر
سجا کر جسم پر شمشیر و تیر و نیزہ و خنجر

---

[1] عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا۔ اور کہا کہ میدانِ جنگ بتا دے گا کہ نامردی کا داغ کون اُٹھاتا ہے۔ (سیرت النبی)

انانیت کا دم بھرنے لگے ڈھول اور نقارے
صدائے طبل سے تھرّا اُٹھے دشت و جبل سارے

درندے خوف کھا کر جا چھپے تاریک غاروں میں
ہوا اک حشر برپا جاگ اُٹھے مردے مزاروں میں

چلے جب جنگ کو فرشی جوان تیار ہو ہو کر
ستارے ڈر کے مارے سو گئے بیدار ہو ہو کر

یہ منظر دیکھ کر چہرا قمر کا پڑ گیا پیلا
کہ اُبھرا داغ بن کر عدوۃ القصویٰ کا یہ ٹیلا

فلک نے اک غبارِ نور ہر جانب بکھیرا تھا
مگر ٹیلے کے سائے میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا

افق کے رخ پہ چھوٹے جس طرح پردہ گھٹاؤں کا
ہوا تھا اس طرح قائم یہاں لشکر بلاؤں کا

صبحِ صادق

مجاہدینِ اسلام

فرشتوں کو نئے احکام بخشے ربِّ عزت نے
کمر کس کس کے باندھی کارپردازانِ قدرت نے

فلک پر سے اُڑا رنگِ قمر آہستہ آہستہ
ہویدا ہو چلا نورِ سحر آہستہ آہستہ

جبینِ پاک اُٹھی سجدے سے چمکی برقِ طور آخر
ہُوا روئے زمیں پر صبحِ صادق کا ظہور آخر

مُصلّے سے اُٹھا ہادی جگایا جاں نثاروں کو
خدا کے سامنے حاضر کیا طاعت گذاروں کو

صدائے نغمۂ توحید گونج اُٹھی فضاؤں میں
وہی رفتہ روانی آگئی ساکن ہواؤں میں

ادا کرلی نمازِ صبح اسلامی جماعت نے
تو رُخ میدان کی جانب کیا فخرِ رسالت نے

نتیجہ جنگ کے متعلق پیمبر کی پیشگوئی

لبِ معجز نما نے فتح و نصرت کی بشارت دی
شہادت کے طلبگاروں کو جنت کی بشارت دی

بتایا دشمنانِ دینِ حق کا نام لے لیکر
کہ مٹ جائینگے سب تیغِ فنا کا جام لے لیکر

یہ شیبہ بن ربیعہ کا ہے یہ زمعہ کا مقتل ہے
امیّہ کا یہ مدفن اور یہ عتبہ کا مقتل ہے

یہ لے جائیں گے حسرت ہی دلِ ناپاک کے اندر
ابوجہل اس جگہ لوٹے گا خون و خاک کے اندر

جو کثرت آج قلت کو مٹا دینے کی طالب ہے
اُسے معلوم ہو جائیگا حق باطل پہ غالب ہے

۱؎ صبح ہوئی تو آنحضرت نے صحابہ کو نماز کیلئے آواز دی اور بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا۔ (سیرت النبی)

۲؎ جنگ سے پہلے آپ نے میدان جنگ کا معائنہ کیا اور بتایا کہ انشا اللہ فلاں دشمن اس جگہ اور فلاں فلاں اس اس جگہ قتل ہو جائیں گے۔ (رحمۃ للعلمین صفحہ ۱۰۴)

بجز حسرت یہ ظالم حملہ آور کچھ نہ پائیں گے
جہاں سے آج داغ رُوسیاہی لے کے جائیں گے

نہ دولت کام آئے گی نہ شوکت کام آئے گی
فقط ایمان کام آئے کا وحدت کام آئے گی

یہ باتیں کہہ کے ہادیؐ نے دعائے خیر فرمائی
صحابہ کی جماعت کو دیا اذنِ صف آرائی

مجاہدینِ اسلام کی صف بندی

مجاہد عشق کو مختار کر کے مرنے جینے پر
مثالِ کوہِ آہن ڈٹ گئے مٹی کے سینے پر

سرِ راہِ شہادت سربلندوں نے صفیں باندھیں
خدا کا حق ادا کرنے کو بندوں نے صفیں باندھیں

یہ اک مسجود کے ساجد۔ یہ اک مطلوب کے طالب
یہ اک معبود کے عابد۔ یہ اک محبوب کے طالب

نہ ملک و مال کی دھن میں نہ عزّ و جاہ کی خاطر
فقط اللہ کی خاطر فقط اللہ کی خاطر

خیالِ مرگ کر سکتا نہ تھا ہرگز ملول ان کو
کہ بہرِ جنگ لایا تھا صداقت کا اصول ان کو

نہ ذاتی رنج تھا کوئی نہ کینہ انکے سینوں میں
صفائے قلب تھی مانندِ آئینہ جبینوں میں

لے وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال)

اور یاد رکھو تمہاری جمعیت کچھ مفید نہیں گو وہ کتنی ہی کثیر ہو اور خدا مومنوں کے ساتھ ہے۔

نہ کوئی زعمِ باطل تھا نہ کوئی جوشِ ہنگامی
نہ فکرِ کامیابی تھی نہ ذکرِ خوفِ ناکامی

نہ کثرت کی کوئی پروا نہ تھا قلت کا غم ان کو
نہ کچھ اندیشۂ پست و بلند و بیش و کم ان کو

نہتّے تھے مگر تسکین و اطمینان رکھتے تھے
کہ سامان پر نہیں ایمان پر ایمان رکھتے تھے

یہ چند افراد جو دیندار تھے عابد تھے زاہد تھے
یہی تھے ہاں یہی اسلام کے سچّے مجاہد تھے

مجاہد تھے کہ جوش و ضبط کی خاموش تصویریں
مجاہد تھے کہ دِینِ اللہِ افواجاً کی تفسیریں

چلے آئے تھے مسجد کے نمازی آج میداں میں
صفیں باندھے کھڑے تھے بانکے غازی آج میداں میں

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سائے میں
نمازِ عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں [1]

---

[1] الجنت تحت ظلال السیوف — جنت تلواروں کے سائے تلے ہے۔

معرکۂ نور و ظلمت

استعارہ از طلوعِ آفتاب

سحر کے دیکھ کر آثار تاریکی بھی گھبرائی
سمٹ کر ایک بادل بن گئی اور شرق پر چھائی

نظر آئی اسی میں رات کو اپنی ظفرمندی
کہ ہو جائے کسی صورت سحر کے گھر کی دربندی

دھواں اٹھا کہ روکے شعلہ ہائے نور کا رستہ
درِ خاور پہ بٹھا لے کے زنگی فوج کا دستہ

مکدر ہو کے ظلمت نے ضیا کو روکنا چاہا
غبارِ دود نے موجِ صبا کو روکنا چاہا

مرض نے تندخو ہو کر دوا کو روکنا چاہا
شفا کے روبرو ہو کر شفا کو روکنا چاہا

خس و خاشاک نے سیلِ فنا کو روکنا چاہا
دلِ ناپاک نے نورِ خدا کو روکنا چاہا

اندھیرے نے کوئی صورت نہ دیکھی سر چھپانے کی
تو کی اک آخری کوشش اجالے کو دبانے کی

اُفق پر گھر گئے بادل حصارِ آہنیں بن کر
کہ سورج کیا نہ آنے پائے گی کوئی کرن چھن کر

ہوا تھرّا گئی ظلمات کے ان خانہ زادوں سے
کہ جز پرخاش کچھ ظاہر نہ تھا ان کے ارادوں سے

ازل سے کر رہا ہے نور باطل اپنی تدبیریں
مگر روکے سے رُکتی ہیں کہیں قدرت کی تقدیریں

اندھیری رات اپنے خاتمے پر مکر کرتی ہے
ہمیشہ ابر کے پردوں میں اپنا رنگ بھرتی ہے

افق پر جمع ہو جاتے ہیں یہ آفت کے پرکالے
بزعمِ خود سیہ کاری کا پردہ ڈھانکنے والے

مگر ہر صبح ان کو ظلم کی پاداش ملتی ہے
اندھیرے کو اُجالے سے شکستِ فاش ملتی ہے

ہوئی اب روشنی بھی فرض ادا کرنے پر آمادہ
لپیٹا عابدِ مشرق نے اُٹھ کر اپنا سجادہ

دریچہ کھول کر خورشیدِ عالمتاب نے جھانکا
کنکھیوں سے لیا کچھ جائزہ ظلمت کے ساماں کا

سیہ بادل کی جرأت دیکھ کر تیوری پہ بل آیا
اُٹھایا تازیانہ برق کا باہر نکل آیا

عزیمت کے لئے کیا مال ہیں پتھر حصاروں کے
غبارِ رہ سے کب رُکتے ہیں رستے شہسواروں کے

اُٹھا خورشید جب آمادۂ جنگ و جدل ہو کر
گری ظلمت پہ برقِ نور پیغامِ اجل ہو کر

پرے کرنوں کے تبروں کی طرح پر جوڑ کر نکلے
یہ برچھے ابر کی ڈھالوں کے سینے توڑ کر نکلے

جلا ڈالا کہیں تابش سے ان کالی بلاؤں کو
کہیں کلّے پکڑ کر چیر ڈالا اژدہاؤں کو

بہت پُر ہول تھا یہ آخری منبع فسادوں کا
کہ جمگھٹ تھا طلسماتی سواروں کا پیادوں کا

جہاں بادل سحر پر جال پھیلانے کو آئے تھے
جہاں عفریت سورج کے نگل جانے کو آئے تھے

نظر آئیں وہاں اب خون میں لتھڑی ہوئی لاشیں
چھری سی کاٹ دی ہوں جس طرح تربوز کی قاشیں

ہوا ظلمت کا بیڑا غرق بحرِ نامرادی میں
لہو کی ندیاں سی بہ گئیں مشرق کی وادی میں

نمازِ عید کی خاطر نہا کر باوضو ہو کر
سحر اس خون کے دریا سے نکلی سرخرو ہو کر

میدانِ بدر میں صفِ مجاہدین کا منظر

اِدھر روشن ہوئی رُوئے نبی سے بدر کی وادی
اُدھر پائی سنہ خاورنے دامِ شب سے آزادی

بیاباں کے عظیم الشان منظر سے اُٹھے پردے
کہ جیسے قلب میں کوئی فرشتہ معرفت بھر دے

ہوئی جب روشنی تو آسماں والوں نے کیا دیکھا
زمیں پر نور و ظلمت کا نرالا معرکہ دیکھا

کھڑی تھی ایک مٹھی بھر جماعت حق پسندوں کی
بھری دنیا سے منہ موڑے ہوئے دیندار بندوں کی

نہتّے بے سر و سامان بھوکے اور تھکے ہارے
کہ مل کر تین سو تیرہ جوان و پیر تھے سارے

کٹی تھی زندگی جن کی ریاضت میں عبادت میں
شہادت کے کیلئے آئے تھے میدانِ شہادت میں

پتہ دیتی تھی ان کی خاکساری سربلندی کا
نگاہوں میں مرقع تھا دلوں کی دردمندی کا

یہ آئے تھے کہ شمعِ دینِ حق کا بول بالا ہو
پتنگے جل بجھیں لیکن اندھیرے میں اجالا ہو

یہ مرگ و زندگی میں فیصلہ کرنے کو آئے تھے
جوانمردوں کی صورت مارنے مرنے کو آئے تھے

یہ پہلا جیش تھا دنیا میں افواجِ الٰہی کا
جسے اعلان کرنا تھا خُدا کی بادشاہی کا

یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا

لشکرِ مشرکین کی دھوم دھام

صفیں باندھے کھڑی تھی یہ جماعت ضبط کامل سے
یکایک اک سیہ آندھی اُٹھی مدِّ مقابل سے

اڑتی۔ دوڑتی۔ اُٹھتی ہوئی بڑھتی ہوئی آندھی
زمیں پر پھیلتی۔ افلاک پر چڑھتی ہوئی آندھی

ہوا پر اُڑ کے جانا چاہتی تھی پرغضب مٹّی
فلک کا منہ چڑانا چاہتی تھی بے ادب مٹی

غضب میں برقہائے تیغ چمکاتا ہوّا بادل
بجائے آبِ رحمت خاک برساتا ہوّا بادل

نہاں اس میں ڈھولوں کی دھم دھم دف کی دف دف تھی
مغلّظ گالیوں کا شور تھا کتّوں کی عف عف تھی

انانیّت کے نعرے اشتروں کی بلبلاہٹ تھی
صدائے طبل میں بھونچال کی سی گڑگڑاہٹ تھی

سماعت پاش صیحے[1] فتنہ زا رفتار گھوڑوں کی
مسلّح شہسواروں کی ڈپٹ پھٹکار کوڑوں کی

زمیں سے آسماں تک گونج اُٹھیں ناپاک آوازیں
ڈرانی خوف زا۔ پُرہول ہیبت ناک آوازیں

---

[1] جنگی گھوڑوں کی جوشیلی ہنہناہٹ۔

دشمنوں کا سراپا

کیا جب چاک مقراضِ ہوا نے گرد کا پردہ
اُٹھا اللہ کے ہر دشمنِ نامرد کا پردہ

نظر آئے بیاباں میں وہ غولانِ بیابانی
کہ جن کی وضع سے شرمندہ تھا ملبوسِ انسانی[1]

وہ سر جو ایک اللہ کے مقابل سرکشیدہ تھے
مگر سنگیں بتوں کے آستانوں پر خمیدہ تھے

وہی سر جو سراسر ناز و نخوت کے تھے گہوارے
ہلا سکتے نہ تھے شانے بھی جن کو بوجھ کے مارے

جبینوں پر شکن ڈالے ہوئے خوف آفریں چہرے
نجس چہرے غضب آلود چہرے خشمگیں چہرے

وہ آنکھیں ہاں وہ آتش ریز آنکھیں شعلہ بار آنکھیں
وہ تیروں سے زیادہ تند پوری دو ہزار آنکھیں[2]

وہی گندے دہن۔ بدگوئیِ اسلام کے عادی
دروغ و طعن و دل آزاری و دشنام کے عادی

قسم کھا کھا کے جھوٹے عہد و پیماں باندھنے والے
خدا پر مصطفیٰ پر لاکھ بہتاں باندھنے والے

وہ دستِ چیرہ دست آلودہ خونِ زیردستاں میں
نہ کرتے تھے جو صلا امتیاز انسان و حیواں میں

---

[1] اولٰئِکَ ھُمْ شَرُّ الْبَرِیَّۃِ ؕ — یہ لوگ ساری مخلوق سے بدتر ہیں۔

[2] اس سے ایک ہزار حملہ آور مشرکین کی تعداد مراد ہے۔

یتیموں اور بیواؤں کی دولت چھیننے والے / سگے باپوں سگی ماؤں کی عزت چھیننے والے

وہ سرکش گردنیں اکڑی ہوئیں اکڑے ہوئے سینے / زرہ کے حلقہ ہائے تنگ میں جکڑے ہوئے سینے

وہ سینے جنکے اندر گندگی پنہاں تھی کینے کی / پتہ دیتی تھی جن کے باطنوں کا بُو پسینے کی

وہ سینے جن کے اندر دل تھے لیکن سخت پتھر دل / بہت بیدرد ظالم دل بہت بے رحم کافر دل

وہ گھٹنے جو ہمیشہ قتل کرنے ہی کو جھکتے تھے / کسی مظلوم کی چھاتی پہ دھرنے ہی کو جھکتے تھے

وہی کج رو قدم جو رہزنوں کی چال چلتے تھے / بدی کی راہ میں شیطان سے آگے نکلتے تھے

وہ جن کی زندگی گذری تھی انسانی لہُو پیتے / لباسِ آدمی میں سانپ بچھو بھیڑیے چیتے

وہ سب کے سب جنہیں حاصل تھے اعزازِ زنیمانہ / خدا سے دشمنی اور قیصر و کسریٰ سے یارانہ

وہ سب کے سب رسول اللہ کے مانے ہوئے دشمن / پرانے مدّعی اور جانے پہچانے ہوئے دشمن

تعدّی کے جگر گوشے بدی کی آنکھ کے تارے / وہی اس حملہ آور فوج کے سردار تھے سارے

غرور و تمکنت کی شان دکھلاتے ہوئے آئے / اکڑتے بنتے تنتے پیچ بل کھاتے ہوئے آئے

سواروں کے پرے گھوڑوں کو دوڑاتے ہوئے نکلے / پیادے دشت کی چھاتی کو دہلاتے ہوئے نکلے

زمیں کا سینہ انکی چال سے شق ہوتا جاتا تھا
فلک کا رنگ اس کجھو نچال سے فق ہوتا جاتا تھا

یہ قوت کی نمائش تھی بہ کثرت کا دکھاوا تھا
خدا کے ملک پر شیطان کے بندوں کا دھاوا تھا

یہ لشکر گرز اٹھائے برچھیاں تولے ہوئے نکلا
علم کی شکل میں شیطان پر کھولے ہوئے نکلا

اٹے تھے سر بسر چار آئینے گرد کدورت میں
چمکتی تھیں غضب کی بجلیاں اس ابر ظلمت میں

یہ ظلمت عدوۃ القصوی کے ٹیلے سے نکل آئی
گھٹا شب رنگ ڈھالوں کی زمین بدر پر چھائی

نہ تھی لیکن خبر ان بد سرشتوں بد نہادوں کو
کہ ان دیکھا خدا بھی دیکھتا ہے ان ارادوں کو

صفِ اسلام

صفیں باندھے کھڑے تھے سامنے ایمان والے بھی
خدا والے محمدؐ والے بھی قرآن والے بھی

نمائش تھی نہ شوکت تھی نہ گھوڑے تھے نہ جوڑے تھے
نہ کلغی تھی، نہ طرہ تھا کمندیں تھیں نہ کوڑے تھے

؎ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ (انفال)

اُن لوگوں (قریش) کی طرح نہ ہو جو اپنے گھروں سے غرور اور نمائش اور دکھاوے کے ساتھ اور خدا کی راہ سے لوگوں کو روکتے ہوئے نکلے۔ خدا ان کے تمام کاموں کو گھیرے ہوئے ہے۔

اگرچہ عرش پیما ہمتِ مردانہ تھی ان کی — فقیرانہ تھا مسلک وضع درویشانہ تھی ان کی

نمازِ عجز کے سجدے تڑپتے تھے جبینوں میں — چٹانوں کی طرح مضبوط دل رکھتے تھے سینوں میں

تھے ان کے پاس دو گھوڑے چھ زرہیں آٹھ شمشیریں[1] — پلٹنے آئے تھے یہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں

نہ تیغ و تیر پر تکیہ نہ خنجر پر نہ بھالے پر — بھروسا تھا تو اک سادی سی کالی کملی والے[ﷺ] پر

تلقینِ ہادی[ﷺ]

قریشی فوج کا طوفان جب بڑھتا نظر آیا — تو اطمینان سے اس کملی والے نے یہ فرمایا

کہ اے ایمان والو آ رہی ہے فوج باطل کی — تمہارے عزم سے ٹکرا رہی ہے موج باطل کی

تمہیں سر دے کے اب ایمان کو محفوظ رکھنا ہے — مگر آدابِ ربط و ضبط کو ملحوظ رکھنا ہے

تمہیں لازم ہے خوفِ ماسوا دل سے اٹھا دینا — خدا کے حکم تلقینِ نبی[ﷺ] پر سر جھکا دینا

خبردار آ نہ جائے لشکرِ باطل قریں جب تک — نہ ہو اُن کی طرف سے حملہ ہونے کا یقیں جب تک

---

[1] زرہ پوش صرف چھ سات تھے (خاتم المرسلین) صرف دو گھوڑے تھے (رحمۃ للعلمین) صرف آٹھ تلواریں تھیں (زرقانی)

لڑائی کیلئے اس وقت تک جنبش نہ تم کرنا
نہ ہو مجبور جب تک جنگ کی کوشش نہ تم کرنا

لڑائی ٹال دینا در گذر کرنا ہی بہتر ہے
جہاں تک ہو سکے اس سے حذر کرنا ہی بہتر ہے

مگر جب جنگ چھڑ جائے تو استقلال لازم ہے
قضا کا خندہ پیشانی سے استقبال لازم ہے

نہیں واجب مسلمانوں کو فکر بیش و کم رکھنا
میانِ جنگ اپنے آپ کو ثابت قدم رکھنا!!

نشاں صبر اور استقلال ہے اقبال والوں کا
کہ ساتھی ہے خدا صبر اور استقلال والوں کا [1]

رسول اللہ کی دعا بہر مجاہدین بدر

یہ فرما کر اٹھائے ہاتھ ہادیؐ نے دعا مانگی
صحابہ کیلئے اس طرح تائیدِ خدا مانگی

---

[1] وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ — استقلال رکھو اللہ استقلال رکھنے والوں کا ساتھی ہے۔

[2] اَللّٰهُمَّ اِنَّهُمْ حُفَاةٌ فَاحْمِلْهُمْ وَعُرَاةٌ فَاَلْبِسْهُمْ وَجِيَاعٌ فَاَشْبِعْهُمْ وَعَالَةٌ فَاَغْنِهِمْ مِّنْ فَضْلِكَ — اے میرے پروردگار یہ لوگ پیادہ ہیں۔ ان کو سوار کر دے۔ یہ لوگ برہنہ ہیں ان کو لباس پہنا۔ یہ بھوکے ہیں ان کو سیر کر۔ یہ نادار ہیں ان کو اپنے فضل سے غنی بنا دے۔

دعا مانگی الٰہی یہ تیرے دیندار بندے ہیں — بہت ہی صاحبانِ جرأت و ایثار بندے ہیں

وطن سے بے وطن آرام سے محروم بیچارے — جفا و ظلم کے مارے ہوئے مظلوم بیچارے

یہ اس میدان میں آئے ہیں تیرے نام کی خاطر — تیرے پیغام کی خاطر تیرے اسلام کی خاطر

بہت تھوڑے ہیں یہ تعداد میں ان کو زیادہ کر — دلوں کو استقامت دے قوی ان کا ارادہ کر

یہ چند افراد ہیں تیرے نبی کے ساتھ آئے ہیں — نہیں ہے کچھ بھی انکے پاس خالی ہاتھ آئے ہیں

الٰہی رزق کی تنگی ہے ان کو رزق وافر دے — نہیں ہے مال انکے پاس تو ان کو غنی کر دے

لباس ان کا ہے بوسیدہ عطا کر دے لباس ان کو — الٰہی اور دیدے مہلتِ شکر و سپاس ان کو

پیادہ ہیں سواری کیلئے رہوار دے ان کو — دفاعِ دشمناں کے واسطے ہتھیار دے ان کو

ضعیف و ناتواں ہیں اے خدا ان کو قوی کر دے — الٰہی ان پہ آساں دینِ حق کی پیروی کر دے

الٰہی نعمتوں سے ان کی خالی جھولیاں بھر دے — سر و ساماں نہیں ہے تو سر و ساماں عطا کر دے

وہ سب کچھ دے انہیں جس میں رضا ہو اے خدا تیری
مسلماں اس پہ راضی ہیں کہ پوری ہو رضا تیری

لبِ صادق سے جب تقدیر بول اُٹھی دعا ہو کر
فلک نے بھی کہی آمین زمین سے ہمنوا ہو کر

ہوئی مضبوط مردانِ مجاہد کی صف آرائی
قلوبِ مطمئن نے اور بھی پائی توانائی

غلاموں کے دلوں کو حُبِّ آزادی سے گرما کر
صفیں کر کے مرتّب ضبط کی تلقین فرما کر

صحابہ کو بروئے فوجِ دشمن کر کے استادہ
عریشے میں ہوا محوِ دعا اللہ کا دلدادہ

دشمنوں کی آہنیں صفیں

قریشی فوج بھی تعداد و ساماں دکھلا کر
صف آرا ہو گئی آخر کھلے میدان میں آ کر

قدم کو گاڑ کر کوے ملا کر جوڑ کر کاندھے
منظم قاتلوں نے آج مقتل میں پرے باندھے

ہزار افراد تھے اس لشکرِ اسلام دشمن میں
مسلّح تُندخو، ڈوبے ہوئے دریائے آہن میں[1]

جھلم آہن کے، خود آہن کے، چار آئینے آہن کے
سر آہن کے، دل آہن کے، مگر سینے آہن کے

منڈھے تھی حلقہ ہائے آہنیں سے آہنیں شانے
چڑھے تھے کہنیوں تک سر بسر آہن کے دستانے

---

[1] قریش کا ہر سپاہی لوہے میں غرق تھا۔ (سیرت النبی)

تبر ہائے سیہ رُو۔ گرز ہائے گاؤ سر آہن
نیاموں کے شکم نیزوں کے پھل تیروں کے پر آہن

یہ ڈھالیں اور زرہیں اور خنجر اور تلواریں
کھڑی کردی تھیں گویا ریت پر لوہے کی دیواریں

تعالی اللہ یہ نرغہ تھا اک جانِ محمدؐ پر
نہ تھی اُن کی نگہ شاید نگہبانِ محمدؐ پر

محمدؐ جس کے دم سے تھی یہ ساری عالم آرائی
تھی جس کی ذاتِ پاک ایجادِ کن کی علّتِ غائی

محمدؐ ہاں جسے دنیا و دیں کا پیشوا کہئے
خدا کی کشتئ ارض و سما کا ناخدا کہئے

جو باطل کے اسیروں کو رہائی دینے آیا تھا
جو گمراہوں کو درسِ رہنمائی دینے آیا تھا

مقدر تھی نجاتِ دو جہاں جسکے وسیلے سے
اُسے ہونا پڑا دوچار اپنے ہی قبیلے سے

یہ قاتل بر سرِ پیکار تھے سردارِ عالم سے
یہ نقشہ دیکھ کر پیرِ فلک خم ہوگیا غم سے

یہ ڈر تھا ربعِ مسکوں اپنے مرکز سے نہ ہٹ جائے
کہیں جوشِ الم سے سینۂ گیتی نہ پھٹ جائے

نور و ظلمت آمنے سامنے

کھڑے تھے روبرو اب صف بصف حق صف بصف باطل
اِدھر حق سر بکف موجود اُدھر خنجر بکف باطل

اِدھر وہ جن کے دم سے ہوگیا اسلام پائندہ
اُدھر کفار کی دنیا کا ہر کافر نمائندہ

عیاں تھا ایک جانب نور ظلمت دوسری جانب
صفائے قلب اک جانب کدورت دوسری جانب

صداقت ایک جانب اور طاقت دوسری جانب
تحمل اک طرف، جوشِ حماقت دوسری جانب

اِدھر اعلائے ایماں کو۔ اُدھر تکذیب کرنے کو
اِدھر تعمیر کرنے کو۔ اُدھر تخریب کرنے کو

اِدھر مسلم اُدھر مشرک اِدھر مومن اُدھر کافر
پدر مسلم پسر مشرک۔ پسر مومن پدر کافر

اِدھر تقدیر پر شاکر۔ اُدھر تدبیر پر تکیہ
اِدھر فضلِ خدا پر ناز۔ اُدھر شمشیر پر تکیہ

نہ دیکھا تھا کبھی خورشید نے پہلے یہ نظارا
اِدھر ایمان صف آرا۔ اُدھر شیطان صف آرا

تصادم ہونے والا تھا صفائیں اور کینے میں
ہوائیں رک گئیں جس طرح دم رک جائے سینے میں

---

۵۱ قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ (آل عمران)

جو لوگ باہم لڑے ان میں تمہارے لئے عبرت کی نشانیاں ہیں۔ ایک خدا کے راہ میں لڑ رہا تھا دوسرا خدا کے خلاف۔

۵۲ ہر شخص اپنے مقابل اپنے بھائی بندوں اور عزیزوں کو پاتا تھا۔ (خاتم المرسلین)

رحمۃ للعالمین کا تاثر اور نصرتِ حق کی طلب

نظر آتے تھے مردانِ خدا کل تین سو تیرہ
جنہیں میدان میں شیطان کے لشکر نے آ گھیرا

نہتّے تین سو تیرہ مگر پتلے تھے غیرت کے
علم بردار تھے یہ ایک غیرتمند اُمّت کے

کھڑے تھے اس طرح اُس لشکرِ کذّاب کے آگے
چٹانیں ڈٹ گئی ہوں جس طرح سیلاب کے آگے

صحابہ کو جو دیکھا محو۔ ذوقِ جاں سپاری میں
سرِ سردارِ عالم جھک گیا درگاہِ باری میں

طبیعت پر وہی کیفیتِ رقّت ہوئی طاری
کہ جس سے جزوِ پیکر ہر بشر کا قلب ہے[۱] عاری

وہ جس کے گھر قبولیت مرادیں مانگنے آئے
وہی اس وقت سجدے میں پڑا تھا ہاتھ پھیلائے

بہت نازک تھیں یہ باہم نیاز و ناز کی گھڑیاں
لئے تھی دو صدف دُردانہ ہائے اشک کی لڑیاں

قریبِ سجدہ گہ صدیقؓ محوِ اشکباری تھے
لبِ محبوبؐ پر اس وقت یہ الفاظ جاری تھے

الٰہی یہ ترے بندے ہیں تیری راہ میں حاضر
ہوئے ہیں سر بکف ہو کر شہادت گاہ میں حاضر

---

۱ آنحضرتؐ پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی۔ عالمِ بیخودی میں چادر شانۂ مبارک پر سے گر گر پڑتی تھی۔ سجدے میں جھک کر خدا کو پکارتے تھے اور استعانت کے لئے نصرت طلب فرماتے تھے (صحیح مسلم و بخاری)

تیرے پیغام کی آیات ہیں جن کی زبانوں پر
مدارِ قسمت توحید ہے ان چند جانوں پر

اگر اغیار نے ان کو جہاں سے محو کر ڈالا
قیامت تک نہیں پھر کوئی تجھ کو پوجنے والا

الٰہی اب وہ عہدِ لیلۃ المعراج پورا کر
محمدؐ سے جو وعدہ ہو چکا ہے آج پورا کر[۱]

فوجِ دشمن میں طبلِ جنگ

اِدھر محوِ دعا سجدے میں تھا اسلام کا ہادی
اُدھر نقارۂ جنگی سے گونجی بدر کی وادی

علمدارانِ فوجِ کفر نے کھولا نشانوں کو
یہ اذنِ جنگ تھا جنگ آزمودہ پہلوانوں کو

نظر بوجہل نے ڈالی قریشی نیزہ داروں پر
کہ یہ بپھرا ہوا شیطان افسر تھا سواروں پر

دکھائی اپنی اپنی شان سردارانِ خودسر نے
اشارے پا کے سب ہوار گبدھریاں لگے کرنے

علمبردار کے ناپاک لب سے کرّنا چیخی
اور اس کی چیخ سے بے اختیاری میں ہوا چیخی

---

[۱] اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَنشُدُکَ عَھدَکَ وَوَعدَکَ اللّٰھم ان تھلک ھٰذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض (بخاری و مسلم)

اے میرے خدا اپنے وعدے کو پورا کر۔ اے میرے خدا اگر مسلمانوں کی یہ جماعت آج اس میدان میں ہلاک ہو گئی تو دنیا بھر میں تجھے پوجنے والا کوئی نہیں رہے گا۔

پیادوں نے بھی تن کر کھینچ لیں تیغیں نیاموں سے
یہ تیغیں خون و غضب کے جوش میں ہاتھ میں جاموں سے

شجاعت اور جوانمردی عیاں کرنے کا وقت آیا
مقدر آزمانے مارنے مرنے کا وقت آیا

قریشی سپہ سالار کی مبارز طلبی

یکایک فوجِ دشمن پا پیادہ ہوگئی ساری
کہ سرِ لشکر نے کرلی تھی پہل کرنے کی تیاری

سپہ سالار عتبہ جنگ کے ارمان میں نکلا
علی الرغمِ ابوجہل آپ خود میدان میں نکلا

برادر اور بیٹا دائیں بائیں ساتھ آئے
تمنا تھی کہ پہلی فتح ہم تینوں کے ہاتھ آئے

محمدؐ کے صحابہ کو بہت کمزور سا پا کر
کیا نعرہ سپہ سالار نے میدان میں آکر

کہ میں ہوں عتبہ، عتبہ بن ربیعہ جانتے ہو تم!
میں کیا ہوں کون ہوں اچھی طرح پہچانتے ہو تم!

میرا بیٹا ولید اور بھائی شیبہ ساتھ ہیں میرے
یہ دونوں میرے بازو ہیں یہ دونوں ہاتھ ہیں میرے

ہمیں تم تول لو یادِ گذشتہ کے ترازو سے
کہ ناواقف نہیں دنیا ہمارے زورِ بازو سے

؎ عتبہ جو سردار لشکر تھا ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لے کر نکلا اور مبارز طلبی کی۔ (سیرت النبی)

اگر تم میں سے کوئی حوصلہ رکھتا ہو مرنے کا
جسے ارمان ہو ناشاد دنیا سے گذرنے کا

ہماری تیغ کا مدّ مقابل بن کے آجائے
ہماری ضرب سہہ جانے کے قابل بنکے آجائے

اُدھر ھَل مِن مُبارز کی صدا سے گونج اٹھا میداں
عریشے میں اُدھر محوِ دعا تھے ہادیٔ دوراں

جنابِ حضرتِ صدیق رضؓ تھے پہلو میں استادہ
نظر آنے لگے دشمن انہیں لڑنے پر آمادہ

گذارش کی مرے ماں باپ قرباں یا رسولؐ اللہ
کیا کفار نے اقدامِ میداں یا رسولؐ اللہ

ہوا ہے آکے میدانِ وغا میں لاف زن عتبہ
دکھاتا ہے مسلمانوں کو تن کر بانکپن عتبہ

غلاموں کیلئے کیا ہے رضا محبوبِ باری کی
اجازت سرفروشوں کو بھی ہو میدان داری کی

جبینِ پاک سجدے سے اُٹھا لے سرورِ عالمؐ!
خدا وعدہ وفا فرمائے گا اے سرورِ عالمؐ!

ابھی لب ہی پہ تھی یہ التجا صدیقِ اکبر رضؓ کی
کہ سجدے سے اٹھی پُر نور پیشانی پیمبرؐ کی

وہی آنکھیں وہی آثار تھے صبحِ تبسم کے
وہی لب تھے وہی اسرار قرآنی تکلّم کے

لبِ روح الامیں سے مژدۂ فتح المبیں پایا
تو اپنے جاں نثاروں میں امام المرسلیںؐ آیا

لہ صحیح مسلم ۲۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ
جس وقت تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے پس اُس نے تمہاری فریاد سنی (اور فرمایا) کہ ہم (بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۴)

انصار کا اقدامِ میدان اور قریش کا غرورِ نسب

بلا گرداں تھا صلح و امن کے پیغام کا جھنڈا
لئے تھے آج مصعب بن عمیر اسلام کا جھنڈا[۱]

مبارز کی طلب واضح ہوئی فخرِ رسالتؐ پر
تو رِقّت آگئی حضرتؐ کو عتبہ کی جہالت پر

اجازت جنگ کی مانگی ادھر سے بوحذیفہؓ نے
کہ چاہا دو بدو ہونا پدر سے بوحذیفہ نے[۲]

رسول اللہ نے ان کو بشفقت منع فرمایا
پسر مارے پدر کو یہ نہ رحمت کو پسند آیا

مگر میداں میں نعرے مارتا تھا پے بہ پے عتبہ
مبارز کیلئے للکارتا تھا پے بہ پے عتبہ

ہوئی جنبش لوا کو مل گیا اب اذنِ سرکاری
تو مردانِ خدا کی صف سے نکلے تین انصاری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۸۳) مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (انفال)

ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرینگے اور یہ فرشتوں کی امداد جو خدا نے کی تو صرف (تمہارے) خوش کرنے کو اور تاکہ تمہارے دل اس کی وجہ سے مطمئن ہو جائیں ورنہ فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ بے شک اللہ غالب (اور) حکمت والا ہے۔

[۱] سفید علم اسلام مصعب بن عمیر کے ہاتھ میں تھا (خاتم المرسلین)

[۲] حضرت بوحذیفہ نے جو عتبہ کے بیٹے تھے اور ایمان لا چکے تھے باپ کے مقابل ہونا چاہا۔ آنحضرتؐ نے ان کو منع فرمایا (کتب السیر)

خدا کی راہ میں اغیار سے بےخوف تھے تینوں
یہ غیرتمند عبداللہؓ معاذؓ و عوفؓ تھے تینوں[1]

مگر ان کو مقابل دیکھ کر عتبہ یہ چلایا
کہ میں یثرب کے چرواہوں سے لڑنے کو نہیں آیا

پکارا اے محمدؐ بھیج میرے ہم نبردوں کو
نہ کر ان کاشتکاروں کے مقابل شیر مردوں کو

سنا ہے اس تری فوج میں قرشی بھی شامل ہیں
وہ آجائیں اگر ہم رتبہ و ندِّ مقابل ہیں

بہادرانِ بنی ہاشم کا میدان میں نکلنا

یہ مغرورانہ آوازہ سنا مختارِ صادقؐ نے
مساوات و اخوّت کے علمبردار صادق نے

ہُوا دل دردمند انساں کی بیہودہ سرائی پر
غرورِ امتیازِ رنگ و خوں کی خودنمائی پر

ہوا ارشاد۔ اچھا، آلِ ہاشم جنگ کو نکلے
دفاعِ گردن افرازانِ خون و رنگ کو نکلے

اشارا کر دیا ہادی نے انصاری پلٹ آئے
معاذ و عوف و عبداللہ اپنی صف میں ہٹ آئے

بڑھے اب ابن عبدالمطلب شبیر شد احمزہؓ
امیر قوم عمِ مصطفےٰ و مرتضےٰ حمزہؓ

---

[1] حضرت عوف حضرت معاذ اور حضرت عبداللہ بن رواحہ مقابلے کو نکلے (سیرت النبی)
[2] عتبہ نے کہا ہم کو تم سے غرض نہیں۔ اور پکارا کہ اے محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہیں ہیں (سیرت النبی)

عبیدہؓ اور علیؓ مرتضیٰ نکلے معیت میں — کہی تکبیر اہل اللہ نے جوشِ حمیت میں

بڑھے شبیروں کی صورت سوئے میدانِ وغا تینوں — علیؓ حمزہؓ عبیدہؓ اولیائے مصطفیٰؐ تینوں

خدائے پاک کی مدح و ثنا کرتے ہوئے نکلے — رجز پڑھتے ہوئے وحدت کا دم بھرتے ہوئے نکلے

مبارزین کی نوک جھوک

ولید و عتبہ و شیبہ کھڑے تھے مستعد تینوں — بہم تینوں کے پشتیبان و دمساز و ممد تینوں

پکارا عتبہ اچھا تم قریشی ہو تو آجاؤ — قریب آنے سے پہلے اپنا اپنا نام بتلاؤ

کہا حمزہؓ نے نعرہ حمزہ ہوں میں شیرِ رب ہوں میں — مجھے تم جانتے ہو ابنِ عبد المطلب ہوں میں

مرے ساتھی جو دونوں ہاشمی غیرت کے وارث ہیں — علیؓ ابنِ ابی طالب عبیدہؓ ابنِ حارث ہیں

کہا عتبہ نے ہاں تم محترم ہو اور ہمسر ہو — فقط ہتھیار کم ہیں ورنہ رتبے میں برابر ہو

بہت اچھا ہوا تم نے کیا اقدام مرنے کا — مزا آئے گا ہم کو بھی تمہارے قتل کرنے کا

کہا حمزہؓ نے عتبہ فائدہ کیا لاف کرنے سے — جو تلواریں اٹھاتے ہیں نہیں ڈرتے وہ مرنے سے

یہ باتوں کا نہیں ہنگام جوہر کوئی دکھلاؤ
ابھی سب حال کھل جائے گا آؤ سامنے آؤ

انفرادی جنگ کا منظر

یہ طعنہ سن کے غصّے میں بھبوکا بن گیا عتبہ
بدل کر پینترا حمزہؓ کے آگے تن گیا عتبہ

ولید آیا علی المرتضٰی پر فتح پانے کو
بڑھا شیبہ عبیدہؓ کی طرف جرأت دکھانے کو

غرض اب قتل و خونریزی پہ مائل ہو گئے تینوں
مقابل باپ کے تینوں کو مقابل ہو گئے تینوں

اُدھر بھی برق کی مانند شمشیریں نکل آئیں
اِدھر بھی کاتب قدرت کی تحریریں نکل آئیں

دو لشکر اس طرح حیراں تھے جیسے جاں نہیں تن میں
زمیں پر بجلیاں سی کوندتی تھیں روز روشن میں

دو جانب سے نگاہیں جم گئیں جنگ آزماؤں پر
اُدھر بازو کے بل پر ناز۔ اِدھر تکیہ دعاؤں پر

حضرت حمزہؓ اور عتبہ کا مقابلہ

یکایک سب نے دیکھا کھینچ لی تلوار عتبہ نے
کیا حمزہؓ کے سر پر ایک کاری وار عتبہ نے

جنابِ حمزہؓ نے تلوار پر تلوار کو روکا
سبک دستی سی تھپکی دے کے مہلک وار کو روکا

نظر آیا نہ کچھ اک جھنجھناہٹ کی صدا آئی
اُڑیں چنگاریاں تلوار سے تلوار ٹکرائی

ذرا مہلت جو پائی ایک پل دھاوے سی حمزہؓ نے
سبک ہو کر نکالا ہاتھ الجھاوے سی حمزہؓ نے

لیا دشمن کو بڑھ کر تیغِ فرخ فال کے نیچے
مگر عتبہ نے سر اپنا چھپایا ڈھال کے نیچے

صدا تکبیر کی آئی - زمینِ بدر تھرّائی
پلک جھپکی کھلی آنکھیں تو یہ صورت نظر آئی

پڑی تلوار فولادی سپر کے ہو گئے ٹکڑے
سپر سے تا بہ سر پہنچی تو سر کے ہو گئے ٹکڑے

گلو میں بھی نہ اٹکی سینہ کاٹا دل جگر کاٹا
لہو چاٹا جگر کا بندِ زنجیرِ کمر کاٹا

گلے کے ہار زنجیروں کی لڑیاں کاٹ کر نکلی
زرہ بکتر کے بندھن اور کڑیاں کاٹ کر نکلی

یہ تیغِ حمزہؓ تھی دعوے تھے اسکو خاکساری کے
زمیں پر آ رہی کر کے دو ٹکڑے جسم ناری کے

یہ برقِ نور تھی باطل کا قصر پاک کر آئی
گری یک لخت اور دو لخت کر کے خاک پر آئی

گری جب خاک پہ دو ٹکڑے ہو کر لاش خودسر کی
دہانِ شیر سے نکلی صدا اللہ اکبر کی

صفِ مردانِ غازی نے کہیں اک ساتھ تکبیریں
قلوبِ اہلِ باطل پر گریں حسرت کی شمشیریں

حضرت علیؓ اور ولید کا مقابلہ

اُدھر حمزہؓ کے ہاتھوں عتبہ فرشِ خاک پر لیٹا
علیؓ سے تھا ادھر تیغ آزما مقتول کا بیٹا

پدر کے خون سے منہ ہو گیا غصے میں لال اس کا
بھڑک اُٹھا بدن پر مثلِ شعلہ بال بال اس کا

عَلم کی اور جو کس ہو کے تیغ آبدار اُس نے
کئے بڑھ کر سنبھل کر پے بہ پے سات آٹھ وار اس نے

علیؓ اس شان سے رد کر رہے تھے اسکے واروں کو
کہ ہوتا تھا تعجب نوجواں پر پختہ کاروں کو

کبھی رد کر دیئے جھک کر کبھی خالی دیئے ہٹ کر
یہ آگے بڑھ کے منہ پر آ گئے وہ رہ گیا گھٹ کر

زرہ بکتر کو الجھن چار آئینوں کو سکتہ تھا
مگر عتبہ کا بیٹا وار کرنے سے نہ تھکتا تھا

یکایک وار خالی دے کے حیدرؓ کو جلال آیا
کہ نازک وقت گذرا جا رہا ہے یہ خیال آیا

کیا نعرہ ہمارا بھی تو لے اک وار او کافر!
سنبھل دیکھ آئی یہ اللہ کی تلوار او کافر!

صدائے شیرِ حق سے چھا گئی ہیبت قلبِ دشمن پر
سپر اُٹھنے نہیں پائی کہ آئی تیغ گردن پر

نہ پائی دیکھنے والی نگاہوں نے بھی آگاہی
کب اُٹھی کب گری کیسے پھری تیغ ید اللّٰہی

عجب بجلی تھی چمکی اور چمکتی ہی نظر آئی
زرِ خالص تھی کندن سی دمکتی ہی نظر آئی

کمالِ ضرب پر حمزہؓ کے منہ سے مرحبا نکلی
صفِ اسلام سے اللہ اکبر کی صدا نکلی

نویدِ فتح ٹکرائی زمینوں آسمانوں سے
کہ اُترا بارِ سر اک سنئی باطل کے شانوں سے

ملا یہ پھل حریفِ بازوئے شیرِ خدا ہو کر
زمیں پر جا پڑا مغرور سرتن سے جدا ہو کر

سرِ بے تن اُدھر لڑھکا تنِ بے سر اِدھر لوٹا
ملا مٹی میں وہ بھی اور یہ بھی خاک پر لوٹا

حضرت عبیدہؓ کا شیبہ کے ہاتھ سے زخم کھانا

نظر آئیں جو یہ دو ضربتیں مردانِ عالم کی
تو چھائی روئے باطل پر سیاہی غصہ و غم کی

عُبیدہؓ کر رہے تھے ضربتِ حیدر کا نظارا
کہ شیبہ نے عقب سے ہاتھ اک تلوار کا مارا

چمک دیکھی تو پھرتی سے عُبیدہؓ نے بھی رخ موڑا
اجل نزدیک پائی پھر بھی دشمن کو نہیں چھوڑا

لگایا ہاتھ شانہ کر دیا بے کار دشمن کا
مگر پنڈلی کے اوپر پڑ چکا تھا دشمن کا

علیؓ و حمزہؓ نے دیکھی جو شیبہ کی دغا بازی
عبیدہؓ کی مدد کرنے کو آئے دوڑ کر غازی

نظر آئے تڑپتے اس طرف تھی ری اُدھر ماری
اِدھر بھی ضرب تھی کاری اُدھر بھی ضرب تھی کاری

بیک ساعت کیا شیبہ پہ اک وار دونوں نے
کیا فی الفور اس ناری کو بھی فی النار دونوں نے

اثاثے اسلحہ تنینوں کے یہ بھی ایک صورت تھی
کہ مردوں سے زیادہ انکی زندوں کو ضرورت تھی

غنیمت لے کے مقتولوں کے جنگی ساز و ساماں سے
اٹھا کر لے چلے زخمی عبیدہؓ کو بھی میداں سے

سروں پر اُنکے سایہ مہر خاور کرتا جاتا تھا
شعاعیں انکے قدموں پہ نچھاور کرتا جاتا تھا

حضرت عبیدہؓ کی شہادت پر رسول اللہؐ کی مہرِ تصدیق

پلٹ کر جب صفِ اسلام میں شیرِ خدا آئے
رسولؐ اللہ کے قدموں میں زخمی شیر کو لائے

یہ مہلک زخم تھا ہڈی کا گودا بہتا جاتا تھا
نکلنے سے لہو کے قلب خالی رہتا جاتا تھا

عبیدہؓ نے ادب سے عرض کی جوشِ ارادت میں — حضور اب فیصلہ کیا ہے مرے بابِ شہادت میں؟

رسولِ پاک نے انکی شہادت پر گواہی دی — انہیں تہنیتِ خوشنودئ ذاتِ الٰہی دی

عبیدہؓ نے یہ سن کر رکھ دیا سر پائے ہادیؐ پر — بسی آنکھوں میں جنت پھر نظر ڈالی نہ وادی پر

فلک سے نور برسا دل پہ راحت ہو گئی طاری — ہوا کلمہ شہادت کا زبانِ پاک پر جاری

فوجِ دشمن کا خوف زدہ ہونا

ادھر ہلچل پڑی تھی لشکرِ شیطان کے اندر — کہ کھوئے تین سردارانِ قوم اک آن کے اندر

۱؎ زخمی عبیدہ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ صلعم کی خدمت میں لائے۔ عبیدہؓ نے آنحضرت سے پوچھا کہ میں دولتِ شہادت سے محروم رہا۔ آپ نے فرمایا نہیں تم نے شہادت پائی۔ عبیدہؓ نے کہا آج ابو طالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔

ونسلمہ حتی نصرع حولہ — ہم محمدؐ کو اس وقت دشمنوں کے حوالے کریں گے جب اُن سے لڑ

ونذھل عن ابناءنا والحلائل — لڑ کر مر جائیں اور ہم محمدؐ کیلئے بیٹوں اور بیبیوں کو بھول جاتے ہیں

(سیرت النبی)

۲؎ عبیدہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے بدر سے واپسی پر راہ میں انتقال فرمایا (خاتم النبیین) ارشادِ رسالت پورا ہوا۔ اس لئے کہ تھوڑی ہی دیر بعد ان کی روح پرواز کر گئی۔ (خاتم المرسلین)

جو ہتھیاروں سے سج کر او جی بن بن کے آئے تھے
بڑے غروں سے نکلے تھے بہت تن تن کے آئے تھے

بوقتِ حملہ تھے جن کے دماغ افلاک کے اُوپر
پڑے تھے اب وہی بیجان ہو کر خاک کے اُوپر

بظاہر بے سر و ساماں تھے ان کے مارنے والے
نہ انکے بر میں زرہیں تھیں نہ انکے ہاتھ میں بھالے

سپر کا بھی اسی تلوار ہی سے کام لیتے تھے
مگر ہر ضرب پر اپنے خدا کا نام لیتے تھے

یہ منظر خوف سے دیکھا گیا فوجِ مقابل میں
کہ اک ساعت نہ جنبش تک ہوئی موجِ مقابل میں

ولید و عتبہ و شیبہ یہ تینوں جانِ لشکر تھے
سپہ سالارِ لشکر اور سردارانِ لشکر تھے

قریشی فوج کو یہ ناز تھا ان کی شجاعت پر
کہ بھاری ہیں یہ تینوں فرداً اسلامی جماعت پر

توقع تھی نہتوں کو بھگا کر آئیں گے تینوں
کسے معلوم تھا یوں مار ڈالے جائینگے تینوں

نظر آیا کہ اک اک زخم کھا کر مر گئے تینوں
بڑے خونخوار تھے اپنے ہی خوں میں بھر گئے تینوں

پسینے آ گئے چھایا صفوں پر ایک سناٹا
کہ زنگ آلود تلواروں نے سرداروں کا سر کاٹا

بہت سے گالیاں دینے لگے اپنے خداؤں کو
کہ نامردوں نے یوں کٹوا دیا تیغ آزماؤں کو

ہوئے مقتول اُن ہاتھوں سے جن پر تھے نہ دستانے
کوئی سمجھے تو کیا سمجھے کوئی مانے تو کیا مانے

یہ منظر دیکھ کر دل ہی میں پچھتانے لگا کوئی
دبکنے جی چرانے اور کترانے لگا کوئی

ابوجہل کی تقریر

یہ صورت دیکھ کر بوجہل نے اس فوج کو ڈانٹا
کہا اے قوم عتبہ تھا ہماری راہ میں کانٹا!

بہم ترتیبِ لشکر میں تو ہم نے عرق ریزی کی
مگر عتبہ نے تنہا جا کے لڑ مرنے میں تیزی کی

یہ تینوں پہلواں مارے گئے اپنی جہالت سے
تو کیا اب ہم بھی مر جائیں اسی شرم و خجالت سے

تمہارے پاس بھالے ہیں تمہارے پاس ڈھالیں ہیں
فنونِ جنگ ہیں ساماں ہیں، قوت ہے چالیں ہیں

وہ کیا ہیں چند کس فاقہ زدہ، مزدور ناکارے
کہ اب تک چھپتے پھرتے تھے تمہارے خوف کے مارے

تمہارے ہاں زرہ پہنے زرہ، جوشن ہی جوشن پر
وہاں مجھ کو تو کپڑا بھی نظر آتا نہیں تن پر

تمہارے ساتھ ہیں اس وقت نو سو ساٹھ تلواریں
اُدھر کیا ہے، زیادہ سے زیادہ آٹھ تلواریں

وہ آئیں اور لائیں کند زنگ آلودہ تلواریں
تمہارے پہلوانوں کو تمہارے سامنے ماریں

کھڑے تم دیکھتے ہو تم کو غیرت کیوں نہیں آتی
غضب ہے قتلِ عتبہ پر بھی چھاتی پھٹ نہیں جاتی

تمہاری اس قدر تعداد ہے شوکت ہے کثرت ہے
اگر اس پر بھی نامردی دکھاؤ تو لعنت ہے

مبارز کے طلب کرنے کی حاجت ہی نہیں ہم کو
انہیں لڑنے کا موقع دیں ضرورت ہی نہیں ہم کو

ارے ہم ان مسلمانوں کو کچا ہی چبا لیں گے
کچل ڈالیں گے ان قدموں کے نیچے پیس ڈالیں گے

یہی وہ ہیں جنہوں نے دینِ آبائی سے منہ موڑا
ہمارے اور اپنے باپ دادوں کا چلن چھوڑا

محمدؐ نے ہمارے ان کے رشتے قطع کر ڈالے
یہ سب ہیں ایک اَن دیکھے خدا کے دیکھنے والے

یہ سجدے کرنے والے کیا لڑیں گے سربلندوں سے!
انہیں ہم لے چلیں گے باندھ کر اپنی کمندوں سے

شکنجوں میں کسیں گے قمچیوں سے کھال اُتاریں گے
جہاں پانی نہیں ملتا وہاں لے جا کے ماریں گے

خبر ان سب کی لی جائیگی دُرّوں اور کوڑوں سے
انہیں رندوائیں گے مکّے میں اونٹوں اور گھوڑوں سے

محمدؐ کی رفاقت کا مزا ان کو چکھائیں گے
محمد کیا۔ محمدؐ کے خُدا کو بھُول جائیں گے

اکٹھے مل کے اک دھاوا کرو اے جنگجو مردو
بڑھو اب ایک ہی ریلے میں سب کو کاٹ کر دھر دو

ہبل کے جاں نثارو لات و عزیٰ کے پرستارو
بڑھو حملہ کرو مارو۔ بڑھو حملہ کرو مارو

---

[1] دیکھو طبری وغیرہ۔

قریش کا عام دھاوا

کیا جوشِ غضب کو مشتعل اس شعلہ باری نے
لگا دی ناریوں کو آگ آتشبازناری نے

ہوا ہیجان پیدا آتشِ نمرود میں گویا
چنگاری پڑ گئی اس تودۂ بارود میں گویا

اُٹھا سودا سروں میں "قتل کر دو سر اُتارو" کا
ہوا اک حشر برپا پکڑو پکڑو مارو مارو کا

پڑیں نقارۂ جنگی پہ ضربیں طبل پر تھاپیں
زمیں دھنسنے لگی گھوڑے لگے جب مارنے ٹاپیں

سنانیں تن گئیں تیغیں اُٹھیں تیروں نے پر تولے
بڑھیں ساری بلائیں جانبِ جنگاہ منہ کھولے

اُڑی پھر ٹھوکروں سی ریگِ صحرا گرد ہو ہو کر
چھپایا بارہا خورشید نے منہ زرد ہو ہو کر

فرشتے غرقِ حیرت تھے اُدھر عرشی اِدھر فرشی
نظر آتا تھا لوہے کا سمندر لشکرِ قرشی

نتھنوں پر عیاں کرنے کو رعب و داب کی صورت
اُٹھا طوفان کی صورت بڑھا سیلاب کی صورت

مسلمانوں کا ربط و ضبط اور فرمانِ پیغمبرؐ

اُدھر بڑھتے چلے آتے تھے پیدل بھی رسالے بھی
صفیں باندھے کھڑے تھے دھوپ میں اللہ والے بھی

کھڑے تھے صبح سے پہلو بدلتے تھے نہ تھکتے تھے
نگاہیں سامنے تھیں دوسری جانب نہ تکتے تھے

سکون و ضبط کی تصویر سینو لائے ہوئے چہرے
وہ چہرے جن پہ قرباں ہو رہے تھے نور کے سہرے

عرق آلود تھیں پیشانیاں قطرے ڈھلکتے تھے
مقدس داڑھیاں تھیں جن میں موتی سی جھلکتے تھے

گدائی میں بھی حاصل شوکتِ شاہانہ تھی انکو
کھڑے تھے اس طرح جیسے کوئی پروانہ تھی انکو

قریشی فوج نے ڈالی جو طرحِ جنگِ مغلوبہ
کیا کثرت نے قلت کو مٹا دینے کا منصوبہ

تو دیکھا جانبِ ہادیٔ کامل دین پناہوں نے
اجازت صف سے بڑھنے کیلئے مانگی نگاہوں نے

ہجومِ کفار جب یکبارگی بڑھتا نظر آیا[1]
تو اپنے ساتھیوں سے مرشدِ کامل نے فرمایا

ابھی قائم رہو اپنی صفوں میں اے خرد مندو
نظر اپنی رکھو اللہ پر اللہ کے بندو

بچائے گا اسی کا ہاتھ ان شمشیر گیروں سے
قریب آئیں تو اس حملے کو روکو اپنے تیروں سے

صفوں میں ابتری آنے نہ پائے اے جوانمردو
تحمل کے فرائض اپنی جانب سے ادا کردو

---

[1] قریش کی فوجیں اب بالکل قریب آگئیں، تاہم آپ نے صحابہ کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا کہ جب دشمن پاس آجائیں تو تیر سے روکو (سیرت النبی)

مسلمانوں کی تیر اندازی

نبی کا حکم سُن کر دم نہ مارا صبر کوشوں نے
اُتاریں اپنے کندھوں سے کمانیں دلق پوشوں نے

کمانیں کیا تھیں گیلی لکڑیاں لے کر جھکائی تھیں
بندھی تھیں رسیاں ان میں مگر چلّوں سے خالی تھیں

کمانوں کو جھکایا تیر جوڑے تیر بھی کیا تھے
کہ اکثر تیر سوفاروں سے بھی قطعاً معرّا تھے

بظاہر تیر بھی ایسے ہی ایسی ہی کمانیں تھیں
سلاحِ جنگ کیا بس دل ہی دل جانیں ہی جانیں تھیں

اُدھر ریلا تھا ہر بے پیر شیخ و شاب لوہے کا
امڈتا دوڑتا آتا تھا اک سیلاب لوہے کا

اِدھر تیر و کماں کی شکل ہو کر تن گئے تنکے
زمیں پر غیرتِ سدِّ سکندر بن گئے تنکے

اُدھر بھونچال کی سی چال سے دھرتی دھمکتی تھی
غبار اُڑتا تھا جس میں برق رہ رہ کر چمکتی تھی

اِدھر اب تک کوئی جنبش نہ تھی اللہ والوں میں
کوئی اندیشۂ باطل نہ تھا ان کے خیالوں میں

مگر بوجہل جب حد سے بڑھا لایا لعینوں کو
بڑھیں تیروں کی انیاں تاک کر پُرنور سینوں کو

یہ سرکش بڑھتے بڑھتے جس گھڑی سر پہ آ پہنچے
ستمگر راہزن اسلام کے گھر پہ آ پہنچے

تو اسلامی کمانداروں نے بھی تاکا نشانوں کو
چڑھا کر تیر گھٹنے ٹیک کر تانا کمانوں کو

دکھائی دستہائے چپ نے راہِ راست منزل کی
نگاہوں نے لگائی شست چشم و سینہ و دل کی

ملے جب دستہائے راست خم ہو ہو کے شانوں سے
صدا اک بار بسم اللہ کی نکلی زبانوں سے

کمانوں سے نکل کر تیر یوں سوئے ہدف جھپٹے
فضا میں جس طرح شہباز چڑیوں کی طرف جھپٹے

یہ فوجِ روسیہ بپھرے ہوئے فیلوں کا لشکر تھا
مگر تیروں کی بارش بھی ابابیلوں کا لشکر تھا[۱]

ہوا میں سنسناہٹ سی ہوئی پھر یہ نظر آیا
کہ تنکوں نے پلٹ دی بڑھنے والی موج کی کایا

نہ کترائے نہ منہ موڑا نہ خم کھاتے نظر آئے
یہ چوبی تیر تھے فولاد کی زرہوں میں در آئے

بہت سے پار اترے جوئے خونِ دل سے منہ دھو کر
بہت سے رہ گئے سینوں کے اندر غرق ہو ہو کر

تھے اکثر جسم بھی زرہیں بھی اور ملبوس بھی دوہرے
مگر تیروں نے گھس کر توڑ ڈالے پشت کے مہرے

---

۱ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ۝ اَلَمْ یَجْعَلْ کَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ۝ وَّاَرْسَلَ عَلَیْهِمْ طَیْرًا اَبَابِیْلَ ۝ تَرْمِیْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّیْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ۝

اے پیغمبر کیا تم نے نظر نہیں کی کہ تمہارے پروردگار نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے انکے داؤ غلط نہیں کر دیئے؟ اور ان پر جھنڈ کے جھنڈ پرندے بھیجے جو ان پر کنکر کی پتھریاں پھینکتے تھے یہاں تک کہ ان کو کھائی ہوئی خوید کی طرح تباہ کر دیا۔

بھڑک اُٹھے جو مرکب راکبوں کی پٹڑیاں ٹوٹیں
رکابیں پھنس گئیں پیروں میں باگیں ہاتھ سے چھوٹیں

جو سب سے آگے آگے آرہے تھے جوش میں بھر کر
گرے اُن میں سے اکثر زخم کھا کر اور مر مر کر

ہوئے پیوست یہ ناوک جہاں پائی جگہ تن میں
شکم میں آنکھ میں رخسار میں شانے میں گردن میں

زمیں پر آرہے اسوار گھوڑوں نے جو رُخ موڑے
صفیں اپنی ہی اپنے ہی پیادوں کے پرے توڑے

جنگِ مغلوبہ

صفوں کی برہمی کا دیکھ کر یہ طرفہ نظارا
غضب میں بھر گیا بوجہل پھر لوگوں کو للکارا

ہبل کے نام کی غیرت دلائی بت پرستوں کو
اکٹھا کر کے پھر آگے بڑھایا چیرہ دستوں کو

نئے وعدے کئے ہمت بندھائی پہلوانوں کی
مسلمانوں کی جانب پھیر دیں نوکیں سنانوں کی

ہوئی پامال ضبط و درگذر کی آخری حد بھی
بڑھے اب اذن پا کر جاں نثارانِ محمدؐ بھی

قتالِ جنگِ مغلوبہ کے ساماں ہوگئے آخر
حق و باطل بہم دست و گریباں ہوگئے آخر

دکھائی رزمگہ میں شان اسلامی دلیروں نے
دبوچا راکبوں کو مرکبوں سے تند شیروں نے

نہتّے گتھ گئے بیباک ہو کر تیغ والوں سے
نہ دھمکی سے ڈرا کوئی نہ گرزوں سے نہ بھالوں سے

لگی مظلوم و ظالم میں غضب کی کشمکش ہونے
زمیں پامال ہو کر خون کے آنسو لگی رونے

جو بیزوں کے نشانوں پر تھے کھیلے اپنی جانوں پر
سنانوں کو بچا یا ہاتھ دوڑایا بنانوں پر

کسی کا جسم لاغر ہو گیا زخموں سے صد پارا
کسی نے چھین کر نیزہ اسی بے دین کو مارا

ضعیفوں کو حریفوں ہی سے حاصل ہو گئیں تیغیں
لپٹ کر اس طرح بازو مروڑے چھین لیں تیغیں

یہی تیغیں مثالِ برق چمکیں اعلم ہو کر
لگے گرنے زمیں پر نخلِ تن سے سر قلم ہو کر

مجاہدینِ اسلام کی شجاعت

اِدھر فاقہ زدہ انسان اُدھر گاوان پرواری
ہوئی دونوں طرف سے کشت و خوں کی گرم بازاری

نمازیں پڑھنے والوں نے دکھائی وہ جوانمردی
کہ شانِ وحدتِ حق فوجِ کثرت پر عیاں کر دی

کیا حمزہؓ نے دھاوا اس طرح فرشی جلیلوں پر
کسی جنگل میں جیسے شیر جا پڑتا ہے فیلوں پر

بہت بیباک تھی یہ تیغ اب کچھ اور چل نکلی
کبھی شانے پہ چمکی اور کبھی زیرِ بغل نکلی

کسی کی ڈھال کاٹی ہے سر سے گذری صدر تک پہنچی — بڑی خوبی سے منشائے قضا و قدر تک پہنچی

کمر کو کاٹ کر اک تار سی صابون سے نکلی — اگر دامن سے الجھی صاف ہو کر خون سے نکلی

یہ سینے سے لہو قلب و جگر کا چاٹ کر آئی — زرہ کے دام بند جوشن اور حلقے کاٹ کر آئی

کبھی اس کا گلو تاکا کبھی اس کی کمر تاڑی — کبھی سیدھی گری آکر کبھی ترچھی کبھی آڑی

جو افسر تھے انہیں آواز دے کر ٹوک کر مارا — جو بھاگے سامنے سے ان کا رستہ روک کر مارا

کہیں مولا علیؑ کی تیغ جوہر دار کا غل تھا — خدا کے فضل سے شیر خدا غالب علی کل تھا

ہجوم اہل مکہ نے جدھر غلبہ ذرا پایا — جہاں انبوہ قریشی پہلوانوں کا نظر آیا

بڑھے مشکلکشا للکار کر ان بدنہادوں کو — لگے زیر و زبر کرنے سواروں کو پیادوں کو

مدد کرنے کو اپنے ساتھیوں کی بار بار آئے — کبھی سوئے یمیں جھپٹے کبھی سوئے یسار آئے

نہیب تیغ وا مندا سے ہٹ ہٹ گئے کافر — مثال زنگ اس تلوار سے کٹ کٹ گئے کافر

گھڑی بھر میں جہاں کفار کا انبوہ بے حد تھا — کسی کے ہاتھ گم تھے اور کسی کا سر ندارد تھا

حضرتِ زبیرؓ اور ابوکرش کا مقابلہ

زبیرؓ[1] اس رنگ سے گھس کر لڑے گھمسان کے اندر
زمین پر لگ گئے کشتوں کے پشتے آن کے اندر

اگرچہ شانہ و بازو پہ کھائے زخم بھی کاری[2]
اگرچہ چلتے چلتے بن گئی تلوار بھی آری[3]

مگر بپھرے ہوئے تھے دشمنوں کے طعن سُن سُن کر
خدا کے دشمنوں کو مارتے جاتے تھے چُن چُن کر

اچانک ایک مشرک پہلواں للکار کر نکلا
اکڑ کر بلبلا کر اور نعرے مار کر نکلا

کہ نادانو مسلمانو شجاعت پر نہ اتراؤ
میں ہوں بوکرش[4] تم سب مل کے میرے سامنے آؤ

---

[1] زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ رسول خُدا صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی صفیہ بن عبد المطلب کے بیٹے ہیں۔ آپ کے والد عوام ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے سگے بھائی تھے حضرت زبیر قدیم الاسلام تھے۔ آپ سے پہلے صرف تین چار آدمی مسلمان ہوئے آپ عشرہ مبشرہ میں ہیں۔ تمام غزوات میں آنحضرت کے ہمرکاب رہے۔ اور کارہائے نمایاں کیئے

[2] حضرت زبیر نے اس معرکہ میں کئی کاری زخم کھائے شانہ پر جو زخم تھا۔ اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہو جانے پر اس میں انگلی چلی جاتی تھی (سیرت النبی)

[3] حضرت زبیر جس تلوار سے لڑے تھے وہ لڑتے لڑتے کرگئی تھی۔ (سیرت النبی)

[4] سعید بن العاص کا بیٹا عبید سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا صف سے نکلا اور پکارا میں بوکرش ہوں۔ ۔ ۔ ۔ حضرت زبیر اس کے مقابلے کو نکلے۔ (سیرت النبی)

نظر آیا کہ یہ انساں نہیں پُتلا ہے آہن کا — کوئی حصہ بجز آنکھوں کے نظر آتا نہیں تن کا

بشر تھا، یا کہ تھا بیڈول سا اک ڈھول لوہے کا — چڑھا رکھا تھا جس نے تن کے اُوپر خول لوہے کا

کوئی حربہ ہو کیسے کارگر اس مردِ آہن پر — کہ ازسرتا بپا فولاد کا ملبوس تھا تن پر

یہ کل آہن کی شاید ڈھل کے آئی تھی جہنّم سے — زمیں پر اپنے پیروں چل کے آئی تھی جہنّم سے

بڑھا سوئے مسلماناں جو یہ کافر رجز پڑھ کر — تو پھرتی سے زبیرؓ اسکے مقابل ہو گئے بڑھ کر

مزاحم پا کے اپنی راہ میں اللہ والے کو — اُٹھایا مردِ آہن پوش نے دیوزاد بھالے کو

مگر ہشیار و چابک دست تھا اللہ والا بھی — تھا خوش نخنی سی اسکے ہاتھ اک چھوٹا سا بھالا بھی

اُدھر نیزہ چلا اس کا - اِدھر سے مردِ غازی کا — لگے کرنے دو لشکر اب نظارہ نیزہ بازی کا

بہم یہ دوّبدل سے جڑانیں دو سمت سے آئیں — جھڑیں چنگاریاں دونوں سنانیں مل کے ٹکرائیں

پیاپے باندھتا تھا بند کندے تولنے والا — مگر اُس سے زیادہ مستعد تھا کھولنے والا

بلا کے طعن تھے پُرپیچ چوٹیں تھیں تکانیں تھیں — سنانیں تھیں کہ دو پھن دار سانپوں کی زبانیں تھیں

جما کر پیترا کر کے اشارا مردِ غازی نے — اَنی رکھتے ہی اک ہکہ جو مارا مردِ غازی نے

ہوائی کر دیا باطل کے نیزہ باز کا نیزہ — زمیں پر سر کے بل آیا غرور و ناز کا نیزہ

دکھائی کچھ کمی دشمن کے حیلے نے نہ طاقت نے — مگر نیزہ اڑا ڈالا زبیرؓ با لیاقت نے

نظر آئی جو شکلِ مرگ اس افتاد کے اندر — لرز کر رہ گیا دل سینۂ فولاد کے اندر

قریشی پہلواں کے ہاتھ سے جب اُڑ گیا بھالا — تو ہٹ کر ہاتھ اُس نے قبضۂ شمشیر پر ڈالا

مگر اب جاں نثارِ احمدِ مرسل کی باری تھی — کہ برچھی ہاتھ میں تھی اور قضا کی سازگاری تھی

جھپٹ کر شیر نے اک وار دشمن پر کیا کاری — جہاں آنکھوں کے دو سوراخ تھے برچھی وہاں ماری[۱]

سناں اس زور سے آہن کا چہرہ توڑ کر گذری — گھسی چشمِ عدو میں کاسۂ سر پھوڑ کر گذری

سرِ خود سر نے حق سے سرکشی کرنے کا پھل پایا — کہ پھل برچھی کا سر میں دوسری جانب نکل آیا

گرا فولاد کا پتلا زمیں پر سرنگوں ہو کر — تکبر بہ گیا آنکھوں کے رستے موجِ خوں ہو کر

قفس کے ٹوٹنے سے طائرِ جاں اڑ گیا آخر — ادھر کھینچی جو برچھی زور سے پھل مڑ گیا آخر[۲]

۱؎ چونکہ صرف دو آنکھیں نظر آتی تھیں۔ تاک کر آنکھ میں برچھی ماری۔ وہ زمین پر گرا اور مر گیا۔ (سیرت النبی)

۲؎ برچھی اس طرح پیوست ہو گئی کہ حضرت زبیر نے اس کی لاش پر پاؤں اڑا کر کھینچی تو بڑی مشکل سے نکلی۔ لیکن دونوں سرے خم ہو گئے (سیرت النبی)

مگر ہاں یادگارِ ضربِ اسلامی رہی برچھی[۱] | بوقتِ جنگ دستِ راست کی حامی رہی برچھی

دو لشکر کر رہے تھے بر سرِ میداں یہ نظارا | کہ آہن پوش انساں اک اشارے میں گیا مارا

صدائے نعرۂ تکبیر سے پھر گونج اٹھی وادی | کہ جس نے مشرکوں میں غیظ کی اک لہر دوڑا دی

ہنگامۂ کارزار

صدائیں دو طرح کی آج زیرِ آسماں گونجیں | اِدھر سے نعرۂ تکبیر اُدھر سے گالیاں گونجیں

بظاہر شور و غوغا مشرکوں کا دُور تک پھیلا | دُہائی خود ستائی اور ہلچل اور واویلا

صدائے طبل۔ آوازِ رجز۔ نعرے نقیبوں کے | بڑھاوے افسروں کے اور آوازے خطیبوں کے

درشت و اشتعال انگیز طعن آمیز گفتاریں | بہم ٹکرا کے تلواروں کی تند اور تیز جھنکاریں

مدینے کے غریبوں کو ڈپٹ قرشی امیروں کی | کمانوں کے کڑکنے پر پھڑک پرواز تیروں کی

شپاشپ خنجروں کی اور چقاچق برچھی بھالوں کی | پیاپے باہمی تکرار گرزوں اور ڈھالوں کی

۱؎ یہ برچھی یادگار رہی یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگ لی۔ پھر چاروں خلفا کے پاس منتقل ہوتی رہی۔ پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی۔ (سیرت النبی)

وہ چیخیں زخمیوں کی بد دعائیں مرنے والوں کی — بتوں کے نام لیکر التجائیں ڈرنے والوں کی

ہوا میداں میں برپا ایک ہیبت ناک ہنگامہ — عجب پُر ہول ہنگامہ عجب ناپاک ہنگامہ

مگر آوازِ حق اٹھتی تھی جب اس شورِ محشر میں — تو دب جاتا تھا سب کچھ نعرۂ اللہ اکبر میں

گرمئ جنگ اور ساقئ کوثر کا فیض

فلک پر مہر جھنجھلاتا ہوا معلوم ہوتا تھا — غضب کی آگ برساتا ہوا معلوم ہوتا تھا

مثالِ شعلہ اُڑتی تھی زمینِ بدر کی مٹّی — یہ مٹّی تھی کہ دھڑ دھڑ جل رہی تھی آگ کی بھٹّی

معاذ اللہ تابش دھوپ کی سیلاب آتش کا — کہ جس کے سامنے ہو جائے زہرہ آب آتش کا

جب ایسی آگ لگتی ہے نہیں اُٹھتا دھواں شاید — دھواں اُٹھ اُٹھ کے یا پھر بن گیا ہو آسماں شاید

طمانچے مارتے تھے آتشیں جھونکے ہواؤں کے — جل اُٹھتے تھے بدن زیرِ زرہ جنگ آزماؤں کے

مگر اس سے زیادہ آتشیں تھی آنچ تیغوں کی — سرِ میداں بہادر کر رہے تھے جانچ تیغوں کی

غضب کی آ چکی تھی خونِ انسانی میں طغیانی — کسی جانب نظر آتا نہ تھا میداں میں پانی

ہوئے تھے اسلحہ کفار کے تپ تپ کے انگارے
نکل آئی تھیں مونہوں سے زبانیں پیاس کے مارے

مزاجِ کائنات اس وقت محوِ شعلہ باری تھا
مگر ہاں رحمۃ للعلمیں کا فیض جاری تھا

وہی اک حوض تھا اس وقت ان لوگوں کی قسمت سے
مسلمانوں نے جس کو بھر لیا تھا آبِ رحمت سے

مروت پوچھتی تھی نام مومن کا نہ کافر کا
کہ پینے دو یہ اذنِ عام تھا ساقیِ کوثر کا[1]

حوض پر کفار کی چیرہ دستی

مگر کفار اس پر بھی دکھاتے تھے زبردستی
چڑھی تھی خود فراموشوں کو جامِ مرگ کی مستی

کہ ظالم پی چکے پانی تو پھر سر پھوڑنے دوڑے
تبر لے کے پلٹے حوض ہی کو توڑنے دوڑے

نظر آیا جو احساں ناشناسی کا یہ نظارا
مسلمانوں نے بڑھ کر ان کو روکا اور للکارا

قریبِ حوض آکر بڑھ گئی شدت لڑائی کی
بڑھا دی آب نے کچھ اور بھی حدت لڑائی کی

پڑا گھمسان کا رن خون کی ندی ہوئی جاری
بالآخر حوض کے آگے سے پیچھے ہٹ گئے ناری

---

[1] ساقیِ کوثر کا فیض عام تھا۔ اِس لئے کہ دشمنوں کو بھی پانی پینے کی عام اجازت تھی۔ (سیرت النبی)

مسلمانوں کا ثبات و استقلال

نہتے تھے غلامانِ نبیؐ تعداد میں کم تھے — مگر اللہ والے تھے مگر مردانِ عالم تھے

یہ بے ساماں لڑے کچھ اس طرح سامان والوں سے — کہ ان کے ہاتھ رکتے تھے نہ خودوں سے نہ ڈھالوں سے

ابوبکرؓ اپنے بیٹے پر بڑھے تیغہ علم کر کے — جو آیا راہ میں سر رکھ دیا اُس کا قلم کر کے

عُمرؓ فاروق نے بھی ہاتھ جس مغرور پر ڈالا — پچھاڑا اور چھاتی پر چڑھے اور قتل کر ڈالا

جو اتراتے تھے مدعیانِ نام و ننگ ہو ہو کر — علیؓ کی ضربتوں سے رہ گئے چو رنگ ہو ہو کر

بہادر بودجانہؓ شیر کی صُورت جھپٹتے تھے — عدو اللہ کو بے قتل کر ڈالے نہ ہٹتے تھے

غلامانِ محمدؐ میں کسی سے کم نہ تھا کوئی — نحیف اور بھوکے پیاسے تھے مگر بے دم نہ تھا کوئی

لڑے اس طرح حق کی راہ میں سینہ سپر ہو کر — کہ اکثر حملہ آور رہ گئے زیر و زبر ہو کر

زباں تکبیر میں مشغول بازو قتلِ دشمن میں — فزوں ہوتا تھا اک اک زخم پر سیروں لہو تن میں

ثبات و صبر تھا ذوقِ یقیں کی کارسازی سے — تھے ورنہ تین تین الجھے ہوئے ایک ایک غازی سے

اصلِ اصولِ جہاد

اصولِ ملّتِ اسلام توڑا جا نہیں سکتا — کوئی رشتہ عدوئے حق سے جوڑا جا نہیں سکتا [1]

مظاہر تھے یہ سب اسلام کی شانِ جلالی کے — دلوں نے توڑ ڈالے پیکرِ اصنامِ خیالی کے

پدر کی ذات حملہ آوروں کے درمیاں پائی — تو ایمانِ پسر نے سب سے پہلے تیغ چمکائی [2]

پسر کو جب عدوئے دینِ محبوبِ خدا پایا — تو شمشیرِ پدر نے خون پینے میں مزا پایا [3]

پرانے رشتے ناطے عشق نے سب قطع کر ڈالے — بڑھی جب نوکِ خنجر بہ گئے سب بِس بھرے چھالے

ہوئی حائل نہ راہِ حق میں مّدی شیرِ مادر کی — کہ بڑھ کر کاٹ لی گردن برادر نے برادر کی

---

[1] عجب وقت تھا اور اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ نہ کہیں تو کیا کہیں۔ کہ بھائی بھائی کے باپ بیٹے کے اور عزیز عزیز کے خون سے ہاتھ رنگ رہا تھا۔ اور حکمِ رسالت کے سامنے کسی دنیاوی رشتے اور علاقے کی پروا نہ تھی۔ (خاتم المرسلین صفحہ ۲۱۴)

[2] عتبہ میدان میں آیا تو حضرت ابوحذیفہ اسکے مقابلے کو نکلے تھے (سیرت النبی)

[3] حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جو اب تک کافر تھے۔) میدانِ جنگ میں بڑھے تو حضرت ابوبکر تلوار کھینچ کر نکلے۔ (ذکر عبدالرحمٰن بن ابی بکر بحوالہ سیرت النبی)

جنھیں خوشنودیٔ ذاتِ خدا مطلوب ہوتی ہے
لحاظِ خوں سے انکی طبع کب مغلوب ہوتی ہے

جہاں میں دشمنِ حق عام انسانوں کا دشمن ہے
جو انسانوں کا دشمن ہے مسلمانوں کا دشمن ہے

برادر باپ بیٹا کوئی ہو جب دشمنِ دیں ہے
تو اس کی پاسداری سر بسر توہینِ آئیں ہے

جو ملت کے مقابل تیغ و خنجر لے کے آ جائے
تحفظ کیلئے جز قتل اس دم کیا کیا جائے

بنائے وحدتِ ملت یہی آئینِ برحق ہے
کہ ملت کے تحفظ پر قیامِ دینِ برحق ہے

بشر جب رشتۂ الفت خدا سے جوڑ لیتے ہیں
تو اپنے دل جہانِ ماسوا سے توڑ لیتے ہیں

خُدا ہی کیلئے خلقِ خدا سے دوستی اُن کی
خدا ہی کیلئے اہلِ جفا سے دشمنی اُن کی

خُدا ہی کیلئے جنگ اور صلح و آشتی کرنا
خدا کی راہ میں جینا خدا کی راہ میں مرنا

نہ پروا گوشت کی ان کو نہ مغز و پوست ہوتے ہیں
جو حق کو دوست رکھتا ہے اسی کے دوست ہوتے ہیں

نہ پاسِ خانداں ان کو نہ عز و جاہ کی خاطر
قرابت دوستی سب کچھ فقط اللہ کی خاطر

حُبِّ رسُولؐ

سما سکتی ہی کیونکر حبِّ دُنیا کی ہوا دل میں
بسا ہو جب کہ نقشِ حُبِّ محبُوبِؐ خدا دل میں

محمدؐ کی محبّت دینِ حق کی شرطِ اوّل ہے
اسی میں ہو اگر خامی تو سب کچھ نامکمل ہے

محمدؐ کی غلامی ہے سند آزاد ہونے کی
خُدا کے دامنِ توحید میں آباد ہونے کی

محمدؐ کی محبت آنِ ملّت شانِ ملّت ہے
محمدؐ کی محبت رُوحِ ملّت جانِ ملّت ہے

محمدؐ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیوی قانُون کے رشتوں سے بالا ہے

محمدؐ ہے متاعِ عالمِ ایجاد سے پیارا
پدر، مادر، برادر، مال، جان، اولاد سے پیارا

یہی جذبہ تھا ان مردانِ غیرتمند پر طاری
دکھائی جن کے ہاتھوں حق نے باطل کو نگونساری

میدانِ کارزار میں ابوجہل کی سرگرمیاں

ابوجہل اس قیامت زار میں فتنے اٹھاتا تھا
جو بے دل ہو کے ہٹ جاتے تھے انکا دل بڑھاتا تھا

کبھی کرتا تھا تقریریں کبھی آوازے کستا تھا
خفا ہوتا تھا۔ روتا تھا۔ گرجتا تھا برستا تھا

سواروں کو پیادوں کو بڑھاتا تھا ہٹاتا تھا
بڑی تدبیر سے ان لٹنے والوں کو لڑاتا تھا

مگر خود آپ ہرگز تیغ کے منہ پر نہ آتا تھا
بظاہر جی دکھاتا تھا بباطن جی چراتا تھا

بتوں کے نام شیطانوں کے منتر ورد تھے اسکے
حفاظت کے لیئے سب اہلِ کنبہ گرد تھے اسکے

مسلح پہلوانوں کی تھیں لوہا لاٹ دیواریں
جو اسکے آگے پیچھے چل رہے تھے لیکے تلواریں

کسی کی دسترس اس تک نہ ہوتی تھی بآسانی
کہ تھا اک چلتے پھرتے قلعے میں اس جنگ کا بانی

یہ ناری پھر رہا تھا قتل وخوں کی آگ بھڑکاتا
مسلمانوں سے ان گمراہ انسانوں کو لڑواتا

قتلِ ابوجہل کی کہانی

حضرت عبدالرحمٰن[۱] رض بن عوف کی زبانی

جنابِ عبدرحمٰن ابن عوف رض اک صف شکن غازی
کہ تھے اس عرصہ پیکار میں مصروفِ جانبازی

---

۱ عبدالرحمن ابن عوف بنو زہرہ قبیلہ قریش اور مہاجرین اولین میں سے ہیں۔ آپ ان پانچ صحابہ میں سے ہیں جو حضرت ابوبکر صدیق کی تبلیغ سے ایمان لائے تھے۔ پہلے حبش کی طرف ہجرت کی پھر (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۱۴)

یہ رودادِ شجاعت آفریں اُن کی زبانی ہے	کمالِ جذبۂ غیرت کی اک سچّی کہانی ہے[۲]
وہ فرماتے ہیں جب دم بڑھ گئی شدت لڑائی کی	عیاں تھیں ہر طرف سرگرمیاں تیغ آزمائی کی
اُدھر جوشِ جفا تھا اہلِ مکّہ حملہ آور تھے	اِدھر نامِ خدا تھا اور اسلامی دلاور تھے
مسلماں جب جواب حملۂ کفار دیتے تھے	تو قرشی پہلواں اُس وقت ہمت ہار دیتے تھے
قریشی فوج ہٹ جاتی تھی یوں مدِّ مقابل سے	پلٹ جاتی ہیں موجیں جس طرح مکرا کے ساحل سے
مگر بوجہل اسکو دم بدم غیرت دلاتا تھا	اسے پھر جمع کرتا تھا اُسے پھر لے کے آتا تھا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۱۳) مدینہ منورہ کی طرف تمام غزوات میں ہمرکاب نبی رہے عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ اور اُن چھ شخصوں میں سے ہیں جن کو حضرت فاروق اعظم نے اپنے بعد خلافت کے لئے تجویز کیا تھا ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے ان کے پیچھے نماز پڑھی ۳۱ھ ہجری میں بعمر ۷۵ سال مدینہ منورہ میں وفات پائی (ازالۃ الخفا صفحہ ۲۵)

۲؎ عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ میں صف میں تھا کہ دفعتاً داہنے بائیں مجھے دو نوجوان نظر آئے ایک نے مجھ سے کان میں پوچھا کہ بوجہل کہاں ہے۔ میں نے کہا برادر زادے ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا۔ بولا کہ میں نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہاں دیکھ لوں گا یا اُسے قتل کروں گا یا خود لڑ کے مارا جاؤں گا میں جواب نہ دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانوں میں یہی باتیں کیں۔ میں نے دونوں کو اشارے سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے۔ بتانا تھا کہ دونوں باز کی طرح جھپٹے اور ابوجہل خاک پر تھا۔

(سیرت النبی صفحہ ۳۰۱)

جمی تھیں اسکے فتنے پر نگاہیں سرفروشوں کی
مگر حائل تھی اس رستے میں صف فولادپوشوں کی

مرے دل میں تمنا تھی، اگر مہلت ذرا پاؤں
صفِ کفار چیروں اور سرِ بوجہل لے آؤں!

دو انصاری نوجوان اور ابوجہل کی جستجو

اچانک اپنے دائیں بائیں میں نے اک نظر ڈالی[1]
کہ تائیدِ دو بازو سے فزوں ہو ہمتِ عالی

مقام اپنا مگر دو کمسنوں کے درمیاں پایا
اُدھر اک نوجواں پایا، اِدھر اک نوجوان پایا

بوقتِ جنگ بازو ہوں اگر تائید سے عاری
تو ہوتی ہے سپاہی کیلئے لڑنے میں دشواری

ابھی میں اپنی حالت پر نہ تھا کچھ سوچنے پایا
کہ اک جانب سے لڑکا دوڑ کر میری طرف آیا

---

[1] عبدالرحمن بن عوف بیان کرتے ہیں کہ جب عام جنگ شروع ہوئی تو میں نے اپنے چپ و راست نگاہ دوڑائی۔ دو انصار لڑکے میرے دونوں پہلوؤں پر کھڑے تھے۔ ان کو دیکھ کر میرا دل بیٹھ گیا۔ کیونکہ جنگِ مغلوبہ میں چپ و راست پر بہت کچھ انحصار ہوتا ہے۔ یعنی وہ شخص زیادہ اچھی طرح جنگ کر سکتا ہے جس کے دونوں بازو مضبوط ہوں اور وقت پر تائید کرتے جائیں۔

(دیکھو بخاری کتاب المغازی)

نہایت رازداری سے نشاں بوجہل کا پوچھا
شباہت اور حلیہ اور موجودہ پتا پوچھا

جواب اسکے سوالوں کا ابھی لب تک نہ تھا پہنچا
کہ اس کا دوسرا ساتھی مثالِ برق آ پہنچا

وہی پہلا سوال اُس نے بھی پوچھا رازداری سے
ادائے ضبط تھی دست و گریباں بیقراری سے

ابھی نوعمر تھے دونوں کے ہاتھوں میں تھیں شمشیریں
نظر آئیں مجھے دو سادہ رُو معصوم تصویریں

بہت شائستہ خوش اطوار کم عمر و حسیں دونوں
فرشتوں کی طرح آئے تھے بالائے زمیں دونوں

حضرت عبدالرحمٰنؓ کی نشاں دہی

یہ استفسار سُن کر میں نے پوچھا فرطِ حیرت سے
بھتیجو کام کیا ہے تم کو اس بدخواہِ ملت سے

پتہ اس دشمنِ دیں کا بتا دیتا ہوں میں تم کو
کہو تو اسکی صورت ہی دکھا دیتا ہوں میں تم کو

وہ دیکھو اک ہجومِ عام قریشی پہلوانوں کا
گرانڈیل اور موٹے تازے دیداری جوانوں کا

وہ جن کے ساتھ تنہا لڑ رہے تھے حضرت حمزہؓ
خدا حمزہؓ کا ناصر دیکھتے ہو جراءتِ حمزہؓ!!!

ادھر پہلو کی جانب کس قدر گھمسان کا رن ہے
مسلماں کس قدر کم اور کتنی فوجِ دشمن ہے

گھرے ہیں بُو دُجانہ جس جگہ قریشی سواروں میں — فقط تلوار لے کر لڑ رہے ہیں نیزہ داروں میں

عُمرؓ دوڑے ہوئے اُنکی مدد کرنے کو آتے ہیں — وہ دیکھو ایک مہلک وار سے ان کو بچاتے ہیں

پلے پڑتے ہیں دشمن جس جگہ انصار کے اُوپر — ہوئے ہیں حملہ آور سینکڑوں دو چار کے اُوپر

پیاپے گر رہی ہے برقِ شمشیرِ علیؓ دیکھو — وہ دیکھو ہٹ چلی اب فوجِ دشمن ہٹ چلی دیکھو

وہ دیکھو چڑھ رہا ہے بھاگ کر مٹی کے تودے پر — وہ کیا ہے کلغی والا سامنے پہنے ہوئے مغفر

وہی بوجہل ہے جو پے بہ پے بازو ہلاتا ہے — یہ اپنے بھاگنے والوں کو پھر واپس بلاتا ہے

حفاظت کر رہا ہے۔ گرد اسکے فوج کا دستہ — یہ دستہ کب تلک روکے گا عزرائیل کا رستہ

نوجوانوں کی غیرت مندی

یہ سُن کر بول اُٹھے وہ دونوں لڑکے بیقراری سے — بتا دیں اب ہمیں کیا کام ہی بے دین ناری سے!!

قسم کھائی ہے ہم دونوں نے اس کو قتل کرنے کی — کہ اس سے بڑھ کے ہو سکتی نہیں اب عمر بھر نیکی

نہیں ہے اس سے بڑھ کر دشمنِ دینِ مبیں کوئی — کوئی زیرِ زمیں ہے اور نہ بالائے زمیں کوئی

قسم کھائی ہے مر جائیں گے یا ماریں گے ناری کو
سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوبِ باری کو

یہ کہتے کہتے غیرت سے ہوئے منہ لال دونوں کے
شہادت کے لہو سی تمتمائے گال دونوں کے

خدا حافظ کہا اور کھینچ لیں دونوں نے شمشیریں
بڑھے یکبارگی کہتے ہوئے پُر جوش تکبیریں

مَیں کہتا رہ گیا میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں
چلو بحرِ شہادت کے کنارے ساتھ چلتا ہوں

مگر وہ کس کی سنتے تھے غیور و شیر دل لڑکے
ہلاکت گاہ میں اُن کے قدم اٹکے نہ دل دھڑکے

مَیں اُن کے پیچھے پیچھے دشمنوں کی فوج پر لپکا
نہ ساتھی بن سکا لیکن غزالوں کی تگ و تپ کا

جہاں چاروں طرف خنجر تھے تلواریں تھیں بھالے تھے
جہاں دشمن تھے جن کے منہ بھی کالے دل بھی کالے تھے

جہاں اللہ کے بندے جہاں اسلام کے غازی
برابر کھیلتے تھے جان سے ایمان کی بازی

جہاں ہر سو نوردِ دشت سے شعلے بھڑکتے تھے
جہاں سر کٹ کے گرتے تھے جہاں لاشے پھڑکتے تھے

وہیں پہنچے یہ دو جانباز لڑکے باوفا لڑکے
یہ الھڑ یہ فنونِ جنگ سے نا آشنا لڑکے

گھرے فولاد پوشوں۔ قاتلوں جنگ آزماؤں میں
مگر دو بجلیاں تھیں جو چمک اُٹھیں گھٹاؤں میں

ابوجہلِ سیہ رو پر نگاہیں گاڑ کر دوڑے
قریشی فوج کے دل بادلوں کو پھاڑ کر دوڑے

انصاری نوجوانوں کا حملہ اور ابوجہل کا حشر

گرا اس طرح کُندے جوڑ کر شہباز کا جوڑا — کہ اک دم میں صفِ زاغ و زغن کا سلسلہ توڑا

جوانوں کے مقابل پہلوانوں کی طرح اڑتے — برابر وار کرتے وار سہتے چوکھے لڑتے

ہٹاتے مارتے اور کاٹتے بڑھتے گئے دونوں — بسانِ موجِ اوج ریگ پر چڑھتے گئے دونوں

اُدھر بوجہل بھی کرنے لگا بچنے کی تدبیریں — نہ اُسکی دھمکیاں کام آسکیں لیکن نہ تقریریں

بروئے بازوئے تقدیر تدبیریں نہیں چلتیں

جہاں شمشیر چل جاتی ہے تقریریں نہیں چلتیں

ہٹا وہ دیکھ کر اِن کو یہ پھر اُسکے قریں پہنچے — جہاں بوجہل پہنچا دونوں لڑکے بھی وہیں پہنچے

نہ بھاگا جا سکا تو اِن کو دھمکانے لگا کافر — سپر کے آسرے پر تیغ چمکانے لگا کافر

وہ پختہ کار یہ کمسن یہ پیدل اور وہ گھوڑے پر — لگا مرکب کدانے خشمگیں شیروں کے جوڑے پر

مگر عشاق اپنی جان کی پروا نہیں کرتے — خدا سے ڈرنے والے موت سے ہرگز نہیں ڈرتے

ہوئے خائف نہ دھمکی اور نمائش سے نڈر لڑکے
جھپٹ کر جا پڑے یہ شیر لڑکے بے جگر لڑکے

ہوائیں گونج اٹھیں رعد کی مانند تکبیریں
گریں بدبخت پر دو تیز خُوں آشام شمشیریں

دہن سے آہ نکلی ہاتھ سے تیغ و سپر چھوٹی
گرا گھوڑا ابھی کھا کر زخم دونوں کی کمر ٹوٹی

تڑپتا لوٹتا آدھا زمیں میں دب گیا مرکب
کسی نے یہ نہیں دیکھا مگر مرکب گیا مرکب

لکھی تھی راکب و مرکب کی قسمت میں نگونساری
زمیں پر لوٹتے تھے اس طرف حیوان اُدھر ناری

ابوجہلِ لعیں یعنی رسولؐ اللہ کا دشمن
ازل سے تا ابد سب سے بڑا اللہ کا دشمن

زمیں دھنستی تھی جس بدبخت کی ادنیٰ سی ٹھوکر پر
پڑا تھا خُوں میں لتھڑا ہوا مٹی کی چادر پر

وہ ہڈی اور خوں جس پر ہمیشہ ناز رہتا تھا
وہی ہڈی شکستہ تھی وہی اب خون بہتا تھا

زباں سے چیختا اور کفر بکتا ہی رہا کافر
مددگاروں کو چاروں سمت تکتا ہی رہا کافر

وہ جنگ آور رسالہ جس کے بل پر زور تھا سارا
اسی میں گھس کے دو کمزور لڑکوں نے اُسے مارا

سسکتا چھوڑ کر بدبخت کو جس وقت رخ پھیرا
تو ہر جانب سے قرشی فوج نے دونوں کو آگھیرا

سپاہی اپنے افسر کو تڑپتا دیکھ کر دوڑے
زباں سے گالیاں بکتے ہوئے سب خیرہ سر دوڑے

بچانے کیلئے خاطی کو دوڑے خانداں والے | بڑھے چاروں طرف سے تیغ خنجر برچھیاں بھالے
ہوئے ایک ایک کے چو گرد گھیرا ڈالنے والے | زمینِ بدر پر دو چاند تھے اس وقت دو ہالے

ایک نوجوان کی شہادت

لگے ہونے پیاپے انتقامی وار دونوں پہ | برستی میں نے دیکھی کفر کی تلوار دونوں پر
مگر تھے کس قدر جی دار عفرا کے پسر دونوں[1] | پیاپے وار کرتے ہی رہے کفار پر دونوں
بس دوڑا اور بھی مسلم مجاہد اس طرف دوڑے | ابوبکرؓ و عمرؓ حمزہؓ علیؓ سب سربکف دوڑے
بیک ساعت مجاہد جا پڑے ان پہلوانوں پر | جنہیں مشقِ ستم سوجھی تھی ننھی سی جانوں پر
اُدھر گرز اور خنجر اور بھالے اور شمشیریں | ادھر لب پر تبسّم اور دو پُر جوش تکبیریں
وہ غازی تھی شہادت کیلئے لڑتے رہے دونوں | مثالِ شیر روباہوں پہ جا پڑتے رہے دونوں
رخوں پر مسکراہٹ زخم تھی دونوں کے سینوں پہ | فلک کرنوں کی بارش کر رہا تھا مہ جبینوں پر

---

[1] یہ دو نوجوان معوذ و معاذ عفرا کے پسر تھے (سیرت النبی)

بالآخر اک جواں نے پا لیا دامن شہادت کا
فرشتوں نے کیا نظارہ اس یُمنِ سعادت کا

زمیں پر قبلہ رُو ہو کر گرا وہ پارسا لڑکا
ہُوا قربان دینِ مصطفےٰؐ پر باوفا لڑکا

خوشا قسمت کہ نیک آغاز نیک انجام تھا اس کا
خدا کا پاک بندہ تھا معوّذ نام تھا اس کا

دُوسرے نوجوان پر ابوجہل کے بیٹے کا وار

نبرد آرا تھا اب تک دوسرا بھی وہ باطل سے
نظر آتا تھا ٹکراتا ہُوا اس کوہِ باطل سے

اُتر آئے تھے قرشی پہلوان روباہ بازی پر
عقب سے عکرمہ نے ہاتھ مارا مردِ غازی پر[۱]

ہُوا اس ضرب سے شانہ نشانہ کٹ گیا بازو
مثالِ شاخِ نخلِ بار آور جھپٹ گیا بازو

مگر پروانہ کی بحرِ شجاعت کے شناور نے
کیا مڑ کر تعاقب عکرمہ کا اُس دلاور نے[۲]

نظر آئی جو یہ شانِ بسالت عکرمہ بھاگا
اڑا یوں سامنے سے جس طرح گھوڑا ہو بے باگا

---

۱ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذ کے بائیں شانے پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا لیکن تسمہ باقی لگا رہا۔

۲ معاذ نے عکرمہ کا تعاقب کیا وہ بچ کر نکل گیا۔ (سیرت النبی)

رہائی عکرمہ نے موت کے پنجے سے یوں پائی
کہ شیرِ زخم خوردہ کو بھی اک دقت تھی پیش آئی

جو بازو کٹ چکا تھا اب وہ رہ رہ کر اٹکتا تھا
کہ اک تسمہ ابھی باقی تھا شانے سے لٹکتا تھا[1]

نظر آئی جو یہ دقت وفا کے نور دیدہ کو
خمیدہ ہو کے رکھا زیرِ پا دستِ بریدہ کو

دبا کر زور سے کھینچا تو ٹوٹا ہاتھ کا رشتہ
نہ تھا درکار وحدت کو دوئی کے ساتھ کا رشتہ

معاذؓ اب تیغ زن تھا اک ہی بازو سے میداں میں
مگر اس طرح جیسے شیر انبوہِ غزالاں میں

جوانو! قابلِ تقلید ہے اقدام دونوں کا
جبینِ لوحِ غیرت پر لکھا ہے نام دونوں کا

وہ غازی تھے مئے حبِ نبیؐ کا جوش تھا ان کو
لبِ کوثر پہنچ کر شوقِ نوشا نوش تھا ان کو

غازیوں اور شہیدوں کی شان

زمیں پہنے ہوئے تھی آج خونیں رنگ کا جامہ
حق و باطل میں برپا تھا عجب خونریز ہنگامہ

یہ پہلی جنگ تھی صاحب دلوں اور بد نہادوں میں
مسلح اور نہتوں میں سواروں اور پیادوں میں

---

[1] معاذ اسی حالت میں لڑ رہے تھے لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی۔ ہاتھ پاؤں کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہو گیا۔ اور اب وہ آزاد تھے (سیرۃ النبی)

اُدھر سینوں میں کینہ تھا شقاوت تھی عداوت تھی
اِدھر ذوقِ شہادت اور ایماں کی حلاوت تھی

پڑا تھا خاک و خوں میں جس جگہ بوجہلِ بدطینت
وہیں کچھ پاک لاشے تھی لباسِ عشق کی زینت

اسی تودے کے اوپر آپڑی شدت لڑائی کی
کہ باطل نے یہاں پر آخری زور آزمائی کی

نبرد آرا تھے کافر جمع ہو کر متحد ہو کر
ابوجہلِ لعیں کا بدلہ لینے پر بضد ہو کر

مگر ہمت نہ ہاری بیشۂ ایماں کے شیروں نے
شجاعت کی دکھا دی شان اسلامی دلیروں نے

مجاہد جن کو وعدے یاد تھے آیاتِ قرآن کے
کھڑے تھے سینہ سی ڈٹ کر مقابل فوج شیطاں کے

جو غیرتمند راہِ حق میں تھے مصروفِ جانبازی
ابد تک نام ان کا ہو گیا اللہ کے غازی

غزا حق کیلئے حق کیلئے انکی شہادت تھی
یہ جینا بھی عبادت تھی یہ مرنا بھی عبادت تھی

شہادت کا لہو بنکے رخوں کا بن گیا غازہ
کھلا تھا اُنکی خاطر دائمی جنت کا دروازہ[1]

شہادت آخری منزل ہے انسانی سعادت کی
وہ خوش قسمت ہیں مل جائے جنہیں دولت شہادت کی

---

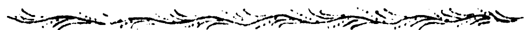
[1] وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ
اور جو لوگ اللہ کے راستے میں لڑتے ہوئے قتل ہو جائیں انکو مردہ مت کہو بلکہ اللہ کے پاس زندہ ہیں لیکن تم نہیں جانتے

شہادت پاکے ہستی زندۂ جاوید ہوتی ہے یہ رنگیں شام صبحِ عید کی تمہید ہوتی ہے

شہید اس دارِ فانی میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں زمیں پہ چاند تاروں کی طرح تابندہ ہوتے ہیں

اسی رنگت کو ہے ترجیح اس دنیا کی زینت پر

خدا رحمت کرے اُن عاشقانِ پاک طینت پر



کشمکش کی انتہا اور نصرتِ حق کی طلب

پیغمبرؐ اپنے خُدا کے حضُور

سحر تک کر رہی تھیں مہر کی آنکھیں یہ نظارا
کہ غازی تھے برابر اہلِ باطل سے نبرد آرا

سوارِ صبح ملکِ شام کو چلنے لگا آخر
لڑائی پر شباب آیا تو دِن ڈھلنے لگا آخر

بگڑتا جا رہا تھا کشمکش سے خاک کا چہرا
مکدّر کر دیا تھا گرد نے افلاک کا چہرا

قریشی جنگجوؤں پر غضب کا رنگ طاری تھا
رگوں میں خُون ہی شاید برائے جنگ جاری تھا

زبردستی میں پیدا ہوگئی تھی اور بھی تیزی
قریبِ لاشۂ بوجہل برپا تھی یہ خونریزی

ﻟﮧ کیا مہاجر اور کیا انصار سب مسلمان پورے اخلاص کے ساتھ لڑے مگر دشمن کی کثرت کچھ پیش نہ جانے دیتی۔ نتیجہ ایک عرصہ تک مشتبہ رہا (خاتم النبیین)

کیا تھا منحدِ خوفِ اجل نے زورِ باطل کا ۔۔۔ زمین و آسماں میں بس گیا تھا شورِ باطل کا

بہت ہی سخت تھا یہ وقت اسلامی دلیروں پر ۔۔۔ کیا تھا نرغہ بھوکے بھیڑیوں نے مل کے شیروں پر

مگر اللہ کے بندوں کا استقلال کیا کہنا ۔۔۔ کہ سینے کر دیئے اک دوسرے پر ڈھال کیا کہنا

اثر انداز تھا رنگِ شہادت جاں نثاروں پر ۔۔۔ گلے بڑھ بڑھ کے رکھ دیتے تھی تلواروں کی دھاروں پر

اُدھر جنگ آوروں کے حوصلوں پر تنگ تھی وادی ۔۔۔ اِدھر سجدے میں تھا زیرِ عریش[۱] اسلام کا ہادیؐ

جمال آرا تھا قلبِ مطمئن سے حسنِ بے تابی ۔۔۔ وفورِ گریۂ معصوم سے آنکھیں تھیں عنّابی

مسلسل کر رہا تھا ابرِ رحمت گوہر افشانی ۔۔۔ رہین آبیاری ہو رہی تھی کشتِ انسانی

گرے تھی جن جبیں کے سامنے لولاک سجدے میں ۔۔۔ خدا کے روبرو تھی وہ جبینِ پاک سجدے میں

جبیں سجدے میں تھی دل مضطرب تھا اشک بہتے تھے ۔۔۔ امینِ محوِ دعا تھا جبرئیل آمین کہتے تھے

اگرچہ فرش پر تھا استغاثہ فخرِ آدم کا ۔۔۔ مگر اس نے احاطہ کر لیا تھا عرشِ اعظم کا

محمدؐ کی زباں یا حیّ یا قیوم کہہ کر ۔۔۔ پئے امت طلب کرتی تھی نصرت آج رہ رہ کر[۲]

---

[۱] عریش یعنی وہی پھوس کا چھپر جو آپ کی عبادت کیلئے کھڑا کر دیا گیا تھا۔

[۲] آپ کی زبان پر یا حیّ یا قیوم کے الفاظ جاری تھے (ابن سعد و نسائی)

پیغمبرؐ عرصۂ کارزار میں

زبانِ وحی نے آخر سنا دی نصِّ قرآنی ۔۔۔ عریش و عرش میں طے پا گئی تقدیرِ انسانی

نویدِ نصرتِ حق لے کے نکلے آپ میداں میں ۔۔۔ قدم بوسی کی جرأت آ گئی خونِ شہیداں میں

کیا رحمت نے رخ اعدائے دین اللہ کی جانب ۔۔۔ بڑھا نورِ مجسّم اس ہلاکت گاہ کی جانب

نظر آیا کہ باطل کھیلتا ہے آخری بازی ۔۔۔ ہوئے جاتے ہیں زخمی ہر طرف اللہ کے غازی

فلک سہما ہوا تھا کافروں کی چیرہ دستی سے ۔۔۔ زمیں شق ہو رہی تھی غلبۂ باطل پرستی سے

مسلط تھا اگر اندیشۂ باطل فضاؤں پر ۔۔۔ تو مجبوری کا اک سکتہ سا طاری تھا ہواؤں پر

مگر جب کملیؐ والا آ گیا اُٹھ کر مصلّے سے ۔۔۔ خدائی ہو گئی محفوظ شیطانوں کے ہلّے سے

صدائے نعرۂ تکبیر سے تھرّا اٹھی وادی ۔۔۔ کہ اُمّت کے ضعیفوں کی مدد کو آ گیا ہادیؐ

غلاموں کو جو آقا کا رخِ انور نظر آیا ۔۔۔ قلوبِ مطمئن نے انتہائی حوصلہ پایا

---

[۱] آپ ایک طولانی سجدے کے بعد خدا کی بشارت لئے ہوئے اُٹھے۔ اس وقت آپ کی زبان پر سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ کے قرآنی الفاظ تھے۔ آپ عریش سے نکل آئے۔

رسولِ پاک نے کفار کی جانب نظر ڈالی
جلالت آفریں چہرے سے کملی اور سرکالی

شعاعِ طور کے انوار چمکے روزِ روشن میں
لگا دی بجلیوں نے آگ سی باطل کے خرمن میں

رسالت پر رسالت کا جلالی رنگ تھا طاری
اٹھائی ایک مٹھی خاک اور کفار پر ماری[1]

بآوازِ بلند اس وقت یوں ارشاد فرمایا
کہ دستِ حق نے باطل کا نشاں برباد فرمایا[2]

مٹی دشمن کی شوکت آج پرچم گر گئے ان کے
جلالِ حق سے پیٹھیں مڑ گئیں منہ پھر گئے ان کے[3]

معجزے کا ظہور

بدل ڈالی رسالت کی صدا نے جنگ کی صورت
کہ اتری چہرہ افروزانِ خون و رنگ کی صورت

نظر آیا۔ کہ مٹی ایک دستِ نور نے پھینکی
خدا کے ہاتھ نے یا بازوئے مامور نے پھینکی[4]

۱؎ آپ نے ریت اور کنکر کی ایک مٹھی اٹھا کر کفار کی طرف پھینکی۔ (طبری)

۲؎ آپ نے زبانِ مبارک سے شاهت الوجوہ کہا۔ یعنی بگڑ گئے چہرے ان لوگوں کے (زرقانی)

۳؎ سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ یعنی لشکرِ کفار ضرور پسپا ہوگا اور پیٹھ دکھا جائے گا (سورہ قمر)

۴؎ وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ رَمٰی ترجمہ۔ جب تو نے پھینکا تھا (وہ) تو نے نہیں پھینکا تھا۔ بلکہ اللہ نے پھینکا تھا۔ (انفال)

بہ مشتِ خاک اڑ کر جا پڑی ناپاک چہروں پر — اداسی چھا گئی پُر ہول دہشتناک چہروں پر

اُٹھی وادی میں اک آواز اعجازِ پیمبرؐ سے — کہ جیسے طشت میں گرتی ہو کوئی چیز اُوپر سے

ہوا کا ایک تند و تیز جھونکا دوڑ کر آیا — اڑا کر ساتھ ننھے ننھے ریزے ریت کے لایا[٥١]

کیا ان ریت کے ریزوں نے حملہ جنگجوؤں پر — الٹ کر جا پڑا دامانِ صحرا زشت رُوؤں پر

لہو نتھنوں سے جاری ہو گیا اور پھٹ گئیں آنکھیں — گڑھے مٹی سی جیسے پڑ گئے ہوں پٹ گئیں آنکھیں

فلک پر دفعتاً کچھ ابر کے ٹکڑے ہوئے ظاہر — نہاں تھا ان میں شاید نوریوں کا لشکرِ قاہر[٥٢]

یہ ابر آتے ہی گر جا دشمنوں کی فوج کے اوپر — سنے گھوڑوں کے شیہے خاکیوں نے اوج کے اُوپر

جھکا بادل اٹھی آندھی بہم مل جل گئے آخر — فضا میں لشکرِ قدرت کے پرچم کھل گئے آخر

برائے اہلِ ایماں یہ نشانِ نصرتِ حق تھا — ادھر حق سرخرو تھا۔ اس طرف باطل کا منہ فق تھا

نہتوں کو سہارا مل گیا دستِ پیمبرؐ سے — زمانہ گونج اُٹھا نعرۂ اللہ اکبر سے

---

٥١ مٹھی بھر خاک کا یہ اثر ہوا کہ آندھی کا ایک جھونکا آیا۔ کفار کے چہرے آنکھیں ناک ریت اور کنکروں سے بھر گئے (زرقانی)

٥٢ آپ نے فرمایا۔ یہ فرشتوں کی خدائی فوج ہے جو ہماری نصرت کے لئے آئی ہے (خاتم النبیین)

جنگِ بدر کا انجام

قریشی فوج کی شکست کا منظر

مجاہد جا پڑے کفّار پر گھبرا گئے کافر
ہوا کا رخ بدلتے ہی ہزیمت کھا گئے کافر

بھری تھی خاک آنکھوں میں سجھائی کچھ نہ دیتا تھا
سوا اللہ اکبر کے سنائی کچھ نہ دیتا تھا

دلوں پر ہیبتِ حق چھا گئی کفار بھاگ اُٹھّے
پڑی جب دونوں جانب سے خدا کی مار بھاگ اُٹھّے

سراسیمہ ہراساں بدحواس و منتشر بھاگے
یہ اس سے دس قدم آگے وہ اس سے دس قدم آگے

پسر دم توڑنے والے پدر کو چھوڑ کر بھاگا
پدر زخمی پسر کے حال سے منہ موڑ کر بھاگا

مُصیبت بن گئے اس وقت سب فولاد کے بانے
سروں کے خود چہروں کے جھلم ہاتھوں کے دستانے

دبا تھا اپنے اپنے بوجھ سے ہر ایک بیدم تھا
نہ ہوتے اسلحہ پھر بھی گنہ کا بوجھ کیا کم تھا

بہم اک دوسرے کی ٹھوکروں سے گر گئے اکثر
نہ بھاگا جا سکا تو غازیوں میں گھر گئے اکثر

ہُوئے اس سلسلے میں راکب و مرکب تہ و بالا
پڑی ہلچل سواروں کو پیادوں نے کچل ڈالا

اچانک بدحواسی میں جو یوں اُوپر تلے ٹوٹے — کمندیں اس طرح اُلجھیں کہ اپنے ہی گلے گھوٹے

جکڑنے کیلئے سینوں کے اندر گڑ گئیں زرہیں — پکڑنے کیلئے گرہوں کے اندر پڑ گئیں گرہیں

جھلم خود اور زرہیں پھینک دیں ہتھیار بھی چھوڑے — پڑے ہی رہ گئے سب ساز و ساماں اونٹ اور گھوڑے [۱]

ہُوا جب منتشر جمعیتِ باطل کا شیرازہ — کیا شیطان نے اللہ کی قدرت کا اندازہ

اتارا جا چکا تھا دستِ حق سے تاج باطل کا — سرِ میداں تعاقب ہو رہا تھا آج باطل کا

وہی لشکر جو دھاوا کر کے آیا تھا ضعیفوں پر — شرارت کا وہی طُوفان جو چھایا تھا شریفوں پر

وہ بادل چھٹ گیا آخر وہ لشکر کٹ گیا آخر — معینِ وقت آیا زورِ باطل گھٹ گیا آخر

غرور و ناز تھا جس قوتِ ناپاک کے اُوپر — وہ قوت ہر طرف بکھری پڑی تھی خاک کے اوپر

زمیں پر سرنگوں تھے گرز ڈھالیں برچھیاں بھالے — کہیں تیر و کماں خم تھے کہیں تیر و کماں والے

دکھاتے تھے جو تن کر پہلوانی اور سرداری — وہ سب تھے آگے آگے پیچھے پیچھے تھی گرفتاری

وہ بازو ہاں بہت مشتاق تھے جو قتلِ انساں میں — وہ بازو گر گئے تھے اب قلم ہو ہو کے میداں میں

۱؎ بھاگنے والے بوجھل ہونے کی وجہ سے زرہیں اور سامان پھینکتے جاتے تھے جس کو مسلمان اُٹھا لیتے تھے (طبری و زرقانی وغیرہ)

بہاتی تھیں جو مٹی پر ہمیشہ خون کی دھاریں
اسی مٹی پہ دم سادھے پڑی تھیں آج تلواریں

رعونت یہ گئی باقی نہ وہ آنیں نہ وہ شانیں
بچا کر لے چلے میدان دارو گیر سے جانیں

دلوں میں گالیاں دیتے ہوئے اپنے خداؤں کو
بُرا کہتے ہوئے اپنے بھگوڑے دیوتاؤں کو

غرور و ناز میں آگے تھے جو فرعون و ہاماں سے
وہ قرشی سورما بھاگے چلے جاتے تھے میداں سے

مسلّط تھا زبردستوں پہ خوف اب زیر دستوں کا
خُدا والے تعاقب کر رہے تھے خود پرستوں کا

رحم کی تلقین کا اثر

"نہ کرنا قتل ناحق" کہہ دیا تھا جوشِ رحمت نے
کیا اب لٹنے والوں کو اسیر اہلِ مروّت نے

شکست و بیدلی شرمندگی خوف اور گرانباری
یہ سب مل جل کے آخر بن گئے وجہِ گرفتاری

نہتے لا رہے تھے باندھ کر شمشیر گیروں کو
کہ اپنی ہی کمندیں طوقِ گردن تھیں شریروں کو

مگر ایسے بھی تھے ان میں کہ آئے تھے بمجبوری
عیاں تھی رحمۃ للعٰلمیںؐ پر اُن کی معذوری

سنایا جا چکا تھا حکم سرکارِ رسالت سے
کہ ان لوگوں سے وقتِ جنگ پیش آنا رعایت سے

کچھ ایسے ہیں جنہیں لایا گیا مکر اور حیلوں سے — کچھ ایسے ہیں جو ڈرتے تھے شریروں سے رذیلوں سے [1]

اگر بے دست و پا کر دے خدائے دو جہاں اُن کو — مُسلمانوں کو اس دم چاہیے بخشیں اماں اُن کو

دکھائی اب جو حق نے فوجِ دشمن کو نگونساری — بجائے جان لینے کے ہوئی زندہ گرفتاری

اگرچہ حضرتِ عباسؓ[2] واقف تھے نتیجے سے — مگر مجبور تھے لڑنے چلے آئے بھتیجے سے

عقیل[3] ابنِ ابی طالب برادر شیرِ یزداں کے — بحالِ کفر آئے تھے مقابل اہلِ ایماں کے

اسی صورت ابوالعاص[4] ان جفا کاروں میں شامل تھے — ابھی ایماں نہ لائے تھے خطا کاروں میں شامل تھے

ہُوئے زندہ اسیر اس جنگ کی پاداش میں آخر — گھرے یہ لوگ دورانِ شکستِ فاش میں آخر

---

۱ آنحضرت نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہیں ان میں ایسے بھی ہیں جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہیں۔ ان لوگوں کے نام بھی آپ نے بتا دیئے تھے۔ (سیرت النبی صفحہ ۳۰۱)

۲ حضرت عباسؓ رسولؐ خدا کے چچا عمر میں آنحضرتؐ سے دو سال بڑے تھے اور ابھی ایمان نہیں لائے تھے مگر ان کو رسولؐ اللہ سے بڑی محبت تھی۔ بدر میں کافروں کے ساتھ بخوشی نہیں آئے تھے (ازالۃ الخفا)

۳ عقیل ابنِ ابی طالب حضرت علی کے بھائی تھے اور ابھی تک ایمان نہیں لاتے تھے۔

۴ ابوالعاص حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے بھانجے تھے ان سے آنحضرت کی دختر حضرت زینب بیاہی جا چکی تھی۔

جو سب کچھ پھینک کر بھاگ گئے وہ بچ نکلے اسیری سے
کہ مہلت مل گئی ان کو خُدا کی دیرگیری سے

بدر میں کفار کے مقتولوں پر ایک نظر

ہوئے مقتول[1] ستّر حملہ آورِ جنگ کے اندر
پڑے تھے جابجا پامالِ خاک و زنگ کے اندر

یہی ستّر برائے قتل و غارت بڑھ کے نکلے تھے
اِنہی کو موت کی آندھی چڑھی تھی چڑھ کے نکلے تھے

انہیں اللہ سے اللہ کے بندوں سے عداوت تھی
سروں میں خود سری تھی اور سینوں میں شقاوت تھی

یہ پھونکوں سے بجھانا چاہتے تھے شمعِ عرفاں کو
یہ قوت سے دبانا چاہتے تھے نورِ ایماں کو

یہ سب کے سب مٹانے آئے تھے دینِ منوّر کو
یہی حق سے لڑانے لائے تھے باطل کے لشکر کو

یہی سب سے زیادہ تھے رسُولِ پاک کے دشمن
بنائے فرش و عرش و کرسی و افلاک کے دشمن

یہ بہکاتے تھے راہِ راست سے ہر ایک انساں کو
یہ ایذائیں دیا کرتے تھے ہر فردِ مُسلماں کو

مسلماں[2] ہونے والوں پر ہزاروں ظلم ڈھاتے تھے
برہنہ کر کے جلتی ریت پر اُن کو لٹاتے تھے

---

[1] دیکھو سیرت النبی و رحمۃ للعلمین وغیرہ
[2] دیکھو شاہنامہ اسلام جلد اول

انہی کے جسم ہائے سخت سے اب نرم تھی مٹّی
انہی کے لاشہ ہائے سرد تھے۔ اب گرم تھی مٹّی

غلام اور لونڈیاں صیدِ زبوں تھیں انکے پنجوں میں
جنہیں اظہارِ ایماں پر یہ کستے تھے شکنجوں میں

یہی تھے آج اور دستِ اجل کا تند پنجہ تھا
انہی کی گردنیں تھیں اور عبرت کا شکنجہ تھا

مظالم میں خیالِ پیش و پس آتا نہ تھا اِن کو
ضعیفوں پر یتیموں پر ترس آتا نہ تھا اِن کو

یہی تھے اب۔ کہ جز لعنت نہ تھی کوئی نوا اِن پر
ہوا دیتی تھی البادیٔ اظلم کی ندا اِن پر

یہی تھے امتیازِ نسل و خوں پر ناز تھا اِن کو
خودی اور خود نمائی کے جنوں پر ناز تھا اِن کو

پڑے تھے اب یہی مٹّی کے اُوپر سرنگوں ہو کر
جنوں نتھنوں کے رستے بہ رہا تھا موجِ خوں ہو کر

یہی تھے وہ جو لد کر آئے تھے سامانِ کثرت سے
بہانے کیلئے ایمان کو طوفانِ کثرت سے

وہ کثرت آج ایماں کے مقابل غرقِ ذلّت تھی
کہ اس کثرت کی فاتح ایک وحدت کیش ملّت تھی

ابو جہل کی نگاہِ واپسیں

یہی بُو جہل ظلم و جور سے ہرگز نہ تھکتا تھا
یہی اب منہ کے بل مٹّی کے بستر پر سسکتا تھا

اُٹھا تھا کعبۂ توحید کی تخریب کرنے کو ۔۔۔ رسُولؐ اللہ کی اللہ کی تکذیب کرنے کو

مسلح اور تن آور ساتھیوں کو لے کے آیا تھا ۔۔۔ مثالِ ابرہہؔ ان ہاتھیوں کو لے کے آیا تھا

کہاں تھے اب وہ ساتھی کون تھا پرسانِ حال اس کا ۔۔۔ پڑا تھا طوق بن کر اسکی گردن میں وبال اس کا

بتوں کی بندگی کرنے میں گزری تھی حیات اسکی ۔۔۔ مدد کرنے نہ آئے وقت پر لات و منات اس کی

بوقتِ جان کنی حسرت کفِ افسوس ملتی تھی ۔۔۔ تمنا پیٹتی تھی جان رہ رہ کر نکلتی تھی

عذابِ جان کنی میں مبتلا تھا دشمنِ ایماں ۔۔۔ سرہانے مسکراتے تھے کھڑے شیطان کے ارماں

پڑے تھے ہر طرف شمشیر و خنجر برچھیاں بھالے ۔۔۔ جنہیں ایک ایک کرکے چن رہے تھے اب خدا والے

زمیں پر پھیلتا جاتا تھا وقتِ عصر کا سایا ۔۔۔ کہ اتنے میں اچانک اک مجاہد اس طرف آیا[۳]

ابوجہلِ لعیں کو اس جگہ دم توڑتے دیکھا ۔۔۔ تڑپتے لوٹتے منہ پیٹتے سر پھوڑتے دیکھا

نظر آیا جو یہ نقشا جہنم کے مسافر کا ۔۔۔ پکارا نام لے کر اور پوچھا حال کافر کا

۱؎ دیکھو شاہنامۂ اسلام جلد اوّل

۲؎ دیکھو سیرت النبی و خاتم المرسلین وغیرہ

۳؎ عبداللہ بن مسعود نے آواز دی کہ کیا تو ہی ابوجہل ہے (بخاری)

لعین نے کھول دیں بے نور پتھرائی ہوئی آنکھیں
وہ زہر آلود لیکن مردنی چھائی ہوئی آنکھیں

کہا بوجہل نے یہ کون ہم کو تنگ کرتا ہے
کہ پیرا تنے بڑے سردار کی گردن پہ دھرتا ہے[1]

کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْزَاکَ غازی نے
کیا خوار و زبوں تجھ کو خدا کی کارسازی نے[2]

خدا سے عفو کا طالب ہو اب بھی جی اگر چاہے
کہا بوجہل نے خاموش او بیشرب کے چرواہے!

ہبل میرا خدا ہے لات و عزیٰ ہیں خدا میرے
وہی میرے محافظ ہیں وہی حاجت روا میرے

قریشی فوج کا سردار ہوں میں جان لے مجھ کو
بڑا بھاری سپہ سالار ہوں پہچان لے مجھ کو!

بتا ہم کو ملی ہے فتح یا تم بے نواؤں کو؟
تمہارے اک خدا کو یا ہمارے سب خداؤں کو

تیرے ساتھی کدھر ہیں قتل ہو کر رہ چکے ہونگے
مسلمانوں کے لاشے موج خوں میں بہہ چکے ہونگے

کہاں ہے وہ تمہارا مایۂ صد ناز پیغمبر
وہ عبداللہ کا بیٹا صاحب اعجاز پیغمبر[3]

---

[1] عبداللہ بن مسعود نے ابوجہل کی گردن پر پاؤں رکھا۔ ابوجہل نے کہا او بکری چرانے والے دیکھ تو کہاں پاؤں رکھتا ہے (سیرت النبی)

[2] اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَخْزَاکَ یعنی تعریف کرتا ہوں اُس خدا کی جس نے تجھ کو ذلیل و خوار کیا۔

[3] ابوجہل نے کہا ھَلْ فَوْقَ رَجُلٌ قَتَلْتُمُوْہُ یعنی کیا تم نے مجھ سے بھی کوئی بڑا آدمی قتل کیا ہے پھر کہا لو غیرُ اکّارٍ قتلنی یعنی کاش کہ میں کسی کسان کے ہاتھ سے نہ مارا جاتا۔ (خاتم النبیین)

سرِ میداں کیا ہے ہم نے اس کا بندوبست آخر ہمارے دیوتا نے اس کو دی ہوگی شکست آخر

مجاہد نے کہا یہ او دشمنِ دیں او ستم آرا خود اپنی آنکھ سے کر اپنی بربادی کا نظارا

ملی پاداشں حملہ آوری تیغ آزماؤں کو کہ دی حق نے شکستِ فاش باطل کے خداؤں کو

پڑے ہیں پیدلوں کے اب نہ وہ جنگی رسالا ہے خدا کا اور محمد مُصطفےٰ کا بول بالا ہے

کیا کفار کو اللہ نے خوار و زبوں آخر ہوا اس لعنتی کثرت کا جھنڈا سرنگوں آخر

فضا میں دیکھ لہراتا ہوا اسلام کا پرچم برائے اہلِ عالم امن کے پیغام کا پرچم

وہ کثرت مٹ گئی ایمانِ قلت دیکھ او کافر نگاہِ واپسیں سے اپنی ذلت دیکھ او کافر

جو آئے تھے کہ چھینیں حقِ آزادی شریفوں سے ہوئے سب تین تیرہ تین سو تیرہ ضعیفوں سے

یہ کیا ہے؟ ایک ادنیٰ سا کرشمہ قدرتِ حق کا گنہ سے توبہ کر طالب ہو ظالم رحمتِ حق کا

اگر تو آخری ساعت پہ بھی انسان ہو جائے تو شاید حشر میں مشکل تری آسان ہو جائے"

یہ سن کر اس لعیں نے دھندلی اک نظر ڈالی نظر آئی اسے وادی قریشی فوج سے خالی

بس اپنے پیکرِ حسرت کا منہ تکنے لگا کافر کراہا چیخ ماری۔ گالیاں بکنے لگا کافر

شرافت کا نہ پایا کچھ اثر جب اس کمینے پر — مجاہد نے سنبھالی تیغ بیٹھا چڑھ کے سینے پر[1]

کہا بوجہل نے "اے بکریوں کے پالنے والے — میں زخمی ہو کے بیشک پڑ گیا ہوں اب ترے پالے

ذرا گردن بچا کر کاٹنا سر باز سر میرا — رہا ہے عمر بھر دنیا میں سرفراز سر میرا

کہ جس کو دیکھنے والے کہیں سردار کا سر ہے — بڑے اک گردن افراز و سپہ سالار کا سر ہے"[2]

مجاہد مسکرایا اور اس خودسر کا سر کاٹا — بڑے ظالم بڑے اخبث بڑے اکفر کا سر کاٹا

چلا شاہِ دو عالم کی طرف دشمن کا سر لے کر — برائے نذر نخلِ فتح و نصرت کا ثمر لے کر

فتح کے بعد آنحضرتؐ اور غازیوں کی مصروفیات

خدا کے فضل سے حاصل ہوئی یہ فتح فیروزی — لگی ہونے مجاہد زخمیوں کی مرہم اندوزی

---

[1] (دیکھو سیرت النبی)

[2] ابوجہل بولا۔ اے بکریوں کے چرواہے نخر کر کہ تو بڑی اونچی جگہ بیٹھا ہے۔ میری وصیت سن کہ میرا سر کاٹے تو کندھوں کے قریب سے کاٹیو تا کہ گردن بڑی معلوم ہو اور ہر شخص دیکھتے ہی سمجھ جائے کہ کسی بڑے سردار کی گردن ہے (الاسلام حصہ اول)

اسیروں کی حفاظت کیلئے سامان فرما کر | نماز اپنے شہیدوں کی پیمبر نے پڑھی آ کر[۱]

ہُوا یہ انتظام اب حسبِ فرمانِ رسول اللہ | ہوئی تکمیلِ تدفینِ فدایانِ رسول اللہ

دعا فرما کے اِن سب کو گنہ سے پاک فرمایا | شہادت پانے والوں کو سپردِ خاک فرمایا

ملی اس جنگ میں جن کو شہادت کی علمداری | تھے اِن بخت آوروں میں چھ مہاجر آٹھ انصاری[۲]

سرِ مقتل ہوئی گنتی جو مقتولانِ دشمن کی | بہتّر سرنگوں لاشیں تھیں سردارانِ دشمن کی[۳]

ہوا ارشاد ان کی پردہ پوشی بھی ضروری ہے | کھلے میداں میں لاشے چھوڑ جانا بے شعوری ہے[۴]

صحابہ پر اگرچہ انتہائی ضعف طاری تھا | مگر ارشادِ پیغمبر انہیں ارشادِ باری تھا

پڑی تھیں جا بجا میدانِ گیرودار میں لاشیں | اٹھائیں اور سُلائیں اک کشادہ غار میں لاشیں[۵]

۱؎ شہدا پر نماز جنازہ پڑھی گئی اور اُن خون آلود کپڑوں میں جنہیں وہ پہنے ہوئے تھے دفن کیے گئے (الاسلام حصہ اول)

۲؎ خاتمہ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں سے صرف ۱۴ شخصوں نے شہادت پائی جنمیں چھ مہاجر اور آٹھ انصار تھے (سیرۃ النبی)

۳؎ تقریباً ستر آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے (سیرت النبی)

۴؎ لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جہاں کوئی لاش نظر آتی تھی آپ اس کو زمین میں دفن کرا دیتے تھے (روض الانف)

۵؎ اس موقع پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی۔ اس لئے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرنا مشکل تھا۔ ایک وسیع کنواں تھا (عربی میں لفظ قلیب ہے مصنف)، تمام لاشیں آپ نے اس میں ڈلوا دیں لیکن (بقیہ حاشیہ بر صفحہ ۱۴۲)

مشرکین کی لاشوں سے آنحضرتؐ کا خطاب

کنارِ غار استادہ ہُوا اسلام کا ہادیؐ
ہوئی معمور پھر صبر و سکوں سے بدر کی وادی

کہ ہم سے حق نے جو وعدہ کیا تھا ہم نے حق پایا
مخاطب کر کے ہر مقتول کو حضرتؐ نے فرمایا

جو تم پر عہد تھا اللہ کا اس پر نظر ڈالو
کہو اے عتبہ۔ اے بوجہل۔ اے شوکت کے متوالو

وعیدِ حق کا ایفا تم نے پایا یا نہیں پایا
بتاؤ غار والو۔ آج تو مت کو یقیں آیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۱) امیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہ رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جاتے اس لئے وہیں خاک میں دبادی گئی (سیرت النبیؐ)
لے واپسی سے قبل آپ اس گڑھے کے قریب تشریف لے گئے جس میں رؤسائے قریش دفن کئے گئے تھے اور پھر ان میں سے ایک ایک کا نام لے کر پکارا اور فرمایا هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمُ اللهُ حَقًّا فَانِّي وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِي اللهُ حَقًّا یعنی کیا تم نے اس وعدے کو حق پایا جو خدا نے میرے ذریعے تم سے کیا تھا تحقیق میں نے تو اس وعدے کو حق پا لیا ہے جو خدا نے مجھ سے کیا تھا۔

نیز فرمایا یا اهل القليب بئس عشيرة النبي كنتم لنبيكم كذبتموني وصدقني الناس واخرجتموني وآواني الناس وقاتلتموني ونصرني الناس (طبری بحوالہ خاتم النبیین) یعنی اے اہل قلیب تم اپنے نبیؐ کے بہت بُرے رشتہ دار بنے۔ تم نے مجھے جھٹلایا اور دوسروں نے میری تصدیق کی۔ تم نے مجھے میرے وطن سے نکالا اور دوسروں نے مجھے پناہ دی۔ تم نے میرے ساتھ قتال کیا۔ اور دوسروں نے میری نصرت کی۔

نبی کی قوم تھے تم لوگ لیکن کس قدر بد تھے
کہ از آغاز تا انجام شیطاں کے مؤیّد تھے

میری تصدیق کی لوگوں نے پر تکذیب کی تم نے
خدا کی بہترین تعمیر کی تخریب کی تم نے

نکالا تم نے گھر سے مجھ کو اوروں نے اقامت دی
اُٹھے تم قتل و غارت کو مگر اوروں نے نصرت کی

ہوئے حائل تمہیں راہِ فلاح آدمیت میں
بتاؤ کیا کہو گے پیشِ حق اپنی بریّت میں

خطاب اسطرح مقتولوں سے جب حضرتؐ نے فرمایا
صحابہ کے دلوں میں اک تحیّر سا اُمڈ آیا

کہا[1] جن کو حضور آواز دیتے ہیں وہ مردہ ہیں
بھلا اب کس کی سنتے ہیں اجل کے زخم خوردہ ہیں

ہوا ارشاد زندوں سے زیادہ سُن رہے ہیں یہ
برائی کے بُرے انجام پر سر دھن رہے ہیں یہ

مآلِ کار پر ہے انتہائی اضطراب اِن کو
مگر حاصل نہیں ہے آج مقدورِ جواب اِن کو

بعدِ فتح غازیانِ اسلام کی حالتِ قلب

نمازِ عصر کا وقت آگیا اِن کام دھندوں میں
ہوا بیتاب ذوقِ بندگی اللہ کے بندوں میں

---

[1] حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو اب مردے ہیں وہ کیا سنیں گے (خاتم النبیین)

[2] آنحضرتؐ نے فرمایا میری یہ بات وہ تم سے بھی سن رہے ہیں"

فضا میں گونج اٹھی پھر صدا اللہ اکبر کی ہوئی روحِ حقیقی جلوہ گر دینِ پیمبر کی

وضو کر کے صفیں میداں میں باندھیں شان والوں نے خدا کے سامنے سر رکھ دیئے ایمان والوں نے

سُنے نغماتِ شکران فتحمندوں کی زبانوں سے اتر آئے فرشتے لے کے رحمت آسمانوں سے

تعجب خیز تھا یہ ربط و ضبط انسانِ فانی کا چڑھا ہرگز نہ اس اُمت کو نشہ کامرانی کا

یہ پہلی فتح تھی انسان کی شیطان کے اوپر کہ بعدِ فتح قائم تھا بشر ایمان کے اُوپر

بشر یہ بھی تھے لیکن قلب انکے شر سے خالی تھے مقاصد تھے بلند ان کے ارادے ان کے عالی تھے

نہ تھی راہِ خدا میں خواہشِ نام و نمود ان کو پئے حُبِ نبی مقصود تھی نفیِ وجود ان کو

جب آئے تھے۔ تو کمزور اور نہتے اور تھوڑے تھے نہ ان کے ساتھ خیمے تھے نہ انکے ساتھ گھوڑے تھے

نہ ان کی پشت پر تھی کوئی بھی امدادِ انسانی نہ کھانے کیلئے روٹی نہ پینے کیلئے پانی

میسر کچھ نہ تھا سامان و ساز و برگ سے ان کو اسی حالت میں ٹکرانا تھا سیلِ مرگ سے ان کو

ہنکا لائی تھی آزادی ہلاکت کی طرف ان کو کہ سینے تان کر ہونا تھا تیروں کا ہدف ان کو

امڈ آئی تھی جب تیغوں کی موجِ تند و تیز ان پر بہر سو اپنے ہاتھوں بند تھی راہِ گریز ان پر

انہیں اس وقت بھی اللہ پر ایمان کامل تھا ۔۔۔ رسول اللہ کے وعدے پر اطمینانِ کامل تھا

وہی وعدہ جسے اہلِ اصولِ زندگی کہئے ۔۔۔ حیاتِ نوعِ انسان کے لئے پائندگی کہئے

مجاہد کیلئے دنیا و دیں کی سرفرازی ہے ۔۔۔ کہ مرنے سے شہید اور زندہ رہ جانے سے غازی ہے[۱]

یہی ذوقِ یقیں باعث تھا انکی استقامت کا ۔۔۔ قدومِ استقامت ہی پہ سر خم ہے کرامت کا[۲]

یہی وہ تھے میسّر تھی جنہیں اب فتح و نصرت بھی ۔۔۔ مہیّا تھے سلاحِ جنگ بھی مالِ غنیمت بھی

جوانمردی سے حملہ آوروں پر فتح پائی تھی ۔۔۔ سرِ میداں دیا تھا امتحاں جرأت دکھائی تھی

بڑی جرأت سے حاصل کر چکے تھے ہمتوں والے ۔۔۔ کمانیں تیر زرہیں گرز ڈھالیں برچھیاں بھالے

خیام اور بارگاہیں اونٹ گھوڑے ڈھول نقارے ۔۔۔ رسد کی خرجیاں بالکل نئے کپڑوں کے پشتارے

سبھی کچھ آج حاصل ہو گیا تھا سرفروشوں کو ۔۔۔ یہ روزِ فتح کا تحفہ ملا تھا دلق پوشوں کو

مگر اس فتح پر ہرگز نہ تھا عجب اور نازان کو ۔۔۔ کہ نازِ قربِ حق نے کر دیا تھا بے نیازان کو

نہ اتراتے تھے جرأت پر نہ اپنے زورِ بازو پر ۔۔۔ خوشی تولی ہوئی تھی شکرِ خالق کے ترازو پر

---

۱ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ ۭ بَلْ أَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

۲ الاستقامت فوق الکرامت۔

زمین و آسماں جن و ملائک سخت حیراں تھے
کہ یہ اللہ کے بندے نئی فطرت کے انساں تھے

انہیں اب بھی نہ خنجر پر نہ بھالے پر بھروسا تھا
خدا پر اور اپنے کملی والے پر بھروسا تھا

سمجھتے تھے۔ کہ یہ اللہ کا احسان ہے سارا
دکھایا جس نے قدرت اور صداقت کا یہ نظارا

یہی اک جذبۂ صادق تھا باعث انکی شادی کا
کہ دیکھا معجزہ تعمیلِ ارشاداتِ ہادیؐ کا

خدا کے پاک بندے بھی خودی کا دم نہ بھرتے تھے
محمدؐ اور احمدؐ کے خدا کا شکر کرتے تھے

بدر سے غازیانِ اسلام کی واپسی

اُدھر باطل گریزاں تھا۔ اِدھر حق شاد و فرحاں تھا
یہ دن ارشادِ قرآں کے مطابق یومِ فرقاںؐ تھا

سوارِ صبح دوڑا جا رہا تھا شام کی جانب
کہ ہر آغاز کا اقدام ہے انجام کی جانب

مگر اس وقت بھی مشغول تھے اللہ کے غازی
سفر درپیش تھا اس قافلے کو بعدِ سربازی

نمازِ عصر پڑھ کر ہوگئی چلنے کی تیاری
مدینے کو بڑھی موجِ نویدِ نصرتِ باری

ا؎ دیکھو سیرت النبی صفحہ ۳۲۳

۲؎ بعض کا قول ہے کہ اسی روز اور بعض کہتے ہیں کہ تین دن یہیں قیام فرماکر آنحضرتؐ مدینے کی طرف لوٹے مگر کثرت اس طرف ہے کہ آپ نے تدفین کے بعد یہاں سے تین میل پر منزل کی+

ثنا کرتی ہوئی اللہ کے اکرام و احساں کی
سوادِ بدر سے پلٹی جماعت اہلِ ایماں کی

بچشمِ نم شہیدانِ محبت سے جدا ہو کر
چلے بندے خُدا کے ہمرکابِ مصطفٰےؐ ہو کر

نہ اتراتے ہوئے آئے، نہ اتراتے ہوئے پلٹے
سپاس و شکر کا اظہار فرماتے ہوئے پلٹے

نہ غرّہ تھا اسیروں پر نہ سامانِ غنیمت پر
یہ نازاں تھے فقط اسلام ہی کی قدر و قیمت پر

تھا دل اس شکر سے معمور ان عالی مقاموں کا
کہ حق نے امتحاں فرما لیا اپنے غلاموں کا

واپسی کی پہلی منزل

بالآخر کاروانِ روز پہنچا شب کی منزل پر
لگا دی آسماں نے کشتیٔ خورشید ساحل پر

کیا تھا کام دن بھر تھک گیا تھا آفتاب آخر
نہ لایا غازیوں کے جوشِ بیداری کی تاب آخر

رسُول اللہ کے روئے منوّر پر نظر ڈالی
تبسم دیکھ کر آرام کرنے کی رضا پالی

جھکایا نیّرِ اعظم نے سر تعظیم کی خاطر
شرف اس کو ملا تھا احمدِ بے میم کی خاطر

مصر پا کر سفر پر شکرِ محبوبِ داور کو
شفق نے لے لیا آغوش میں خورشیدِ خاور کو

جبینِ شام پہ سرخی ندامت کی جو لہرائی — رسولِ پاک نے بھی اب قیامِ شب کی ٹھہرائی

ہوا ارشاد ہاں اب وقت ہے آرام لینے کا — خدا کی بخششِ خواب و سکوں سے کام لینے کا

کیا فرمانِ ہادی پر قیام ان سربلندوں نے — ادا کی مل کے مغرب کی نماز اللہ کے بندوں نے

مہیّا جو ہوا نعمت سمجھ کر شکر سے کھایا — عشا کے بعد حزب اللہ نے آرام فرمایا

فلک سے چاند تارے نور کی بارش لگے کرنے — لگی موجِ ہوا ان کی ہوا خواہی کا دم بھرنے

ملایک کی جماعت آج پہرے دار تھی ان کی
یہ محوِ خواب تھے، قسمت مگر بیدار تھی ان کی



۱ـ بدر سے ہٹ کر تین میل پر مقام اثیل ہے۔ متعدد روایات کی رُو سے آپ نے واپسی پر وہاں تین دن رات قیام فرمایا تھا۔

باب دُوم

جنگِ بدر اور جنگِ اُحد کا درمیانی وقفہ

مکّے اور مدینے کے حالات

منافقین اور یہُود کی شرارتیں

مجاہد بدر کی جانب چلے تھے جب مدینے سے — منافق اور یہُود ان کو یہی کہتے تھے کینے سے

نہ جاؤ جنگ کو اس بے سروسامان حالت سے — نہ ٹکراؤ عبث شمشیرِ قرشی کی اصالت سے

نہیں کوئی حریف اہلِ عرب میں ان کی طاقت کا — مقابل اُن سے ہونا کام ہے پُوری حماقت کا

یہ تم دو تین سو افراد بے ہتھیار ناکارے
فنونِ جنگ سے عاری فلاکت آشنا سارے

محمدؐ لے چلے ہیں ہو تو تم کو پھسلا کر
نہ دیکھو گے کبھی منہ بال بچّوں کا یہاں آکر

قریشی پہلواں تم کو کبھی جینا نہ چھوڑیں گے
تمہارے ایک اک سردار کا سر خوب توڑیں گے

بنائیں اس طرح کی سینکڑوں باتیں رذالوں نے
سنا سب کچھ مگر چپ سادھ لی اللہ والوں نے

مدینہ میں مسلمانوں کی حالت

بڑھے آخر یہ اسلامی مجاہد بدر کی جانب
تو مائل تھے مسلمانوں کے دشمن غدر کی جانب

رسول اللہ کو معلوم تھی ان کی دغابازی
کیا تھا آپ نے یوں سدِّ بابِ فتنہ اندازی

کہ چند اصحابؓ چھوڑے تھے مدینے کی حفاظت کو
نظر میں تاکہ رکھیں دشمنوں کی نقل و حرکت کو

۱؎ مدینے سے نکلتے ہوئے آپ نے حضرت عبداللہ ام مکتوم کو امام نماز بنا کر چھوڑا تھا۔ پھر راستے میں مقام روحا سے جو مدینہ سے ۳۶ میل کے فاصلے پر ہے بہ خوف منافقین کے فتنے کے خیال سے حضرت ابو لبابہ بن منذر کو مدینہ کا امیر بنا کر واپس بھیج دیا تاکہ مدینے میں امن قائم رکھیں۔ مدینہ کی بالائی آبادی یعنی قبا کے لئے آپ نے عاصم بن عدی کو الگ امیر مقرر کر دیا تھا۔ (ابن ہشام و ابن اثیر)

یہ غیبت میں ستائیں گے غریبوں او ضعیفوں کو
شرارت سے پریشانی میں ڈالیں گے شریفوں کو

بہت[۱] بیمار تھیں اس دم رسول اللہ کی دخترؓ
رقیہؓ نام تھا عثمانؓ اس بی بی کے تھے شوہر

یہاں بیمار کی تیمارداری بھی ضروری تھی
وہاں تعمیلِ ارشاداتِ ہادی بھی ضروری تھی

محبت نے ادائے فرض کا رشتہ نہ توڑا تھا
پئے تیمارداری اس جگہ عثمانؓ کو چھوڑا تھا

مجاہد بدر میں آسودہ تھے تیغوں کی چھاؤں میں
مدینے کے مسلماں کاٹتے تھے دن دعاؤں میں

منافقین اور یہودِ مدینہ کی طنز آمیز افواہیں

منافق اور یہود ان فکرمندوں کو ستاتے تھے
قریشی فوج کے غلبے کی افواہیں سناتے تھے

کہا کرتے تھے قریشی فوج سب کو مار ڈالے گی
زمینِ بدر منہ کھولے گی بیچاروں کو کھالے گی

پیمبر نے کیا برباد اتنے خاندانوں کو
بچا لاتے ہیں دیکھیں کس طرح ان چند جانوں کو

---

[۱] آنحضرتؐ کے خروجِ بدر سے پہلے آپ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ چیچک میں مبتلا ہو چکی تھیں حالت بہت نازک تھی اس لئے تیمارداری کے لئے آپ نے ان کے شوہر جناب عثمانؓ ابن عفان کو مدینے میں چھوڑ دیا تھا۔ (خاتم المرسلین)

نہتے لڑ سکیں گے کس طرح کمزور بیچارے / ہمیں افسوس ہے بے فائدہ مارے گئے سارے

یہود اور بُت پرست ایسی ہی باتیں کہتے رہتے تھے / مسلماں ضبط و خاموشی سے سنتے اور سہتے تھے

حضرت رقیہؓ کی وفات کا دن

خبر کوئی نہ آئی تھی بڑھا فکر و ملال آخر / ہُوا اک دن رقیہ سیّدہ کا انتقال آخر

دعا کرتی ہوئی حق سے رسول اللہ کی بیٹی / پدر کی واپسی سے پیشتر تربت میں جا لیٹی

جناب حضرتِ عثمانؓ بہت افسردہ خاطر تھے / حیا مانع تھی رونے سے مگر آزردہ خاطر تھے

بچھڑ کر رہ گئے تھے جسکی خاطر فوجِ ملت سے / جدائی ہوگئی تھی آج اسی پاکیزہ سیرت سے

سہے تھے اس عفیفہ نے بہت دکھ دین کی خاطر / مدینے کے مسلماں جمع تھے تدفین کی خاطر

نبی کے جلد واپس لوٹ آنے کی تمنّا تھی / یہ حسرت باوجودِ ضبط چہروں سے ہویدا تھی

یہود اور بُت پرست اسوقت بھی انکو ستاتے تھے / کہ دلسوزی کے پردے میں وہی باتیں بناتے تھے

---

۱ دیکھو تاریخ الخمیس ۱۲

فتح کی خوشخبری

یہ عالم تھا کہ دیکھا اک شتر اسوار آتا ہے
کھڑا ہو ہو کے رستے میں کوئی مژدہ سناتا ہے

مسلمانوں کے بچے بچیاں ہیں جمع گرد اسکے
خدا کا فضل" اور "فتح مبین" لب پہ ہیں ورد اس کے

قریب آکر نظر آیا جناب زیدؓ کا چہرا
وہ چہرا جس پہ تھا لطفِ خدائے پاک کا سہرا

وہی زید ابنِ حارث خادمِ خاص رسول اللہ
غلام زر خریدِ حسن و اخلاصِ رسول اللہ

ہمیشہ مستعد رہتے تھے جو خدمت گذاری میں
نبی کا ناقۂ قصویٰ تھا آج انکی سواری میں

یہاں تعمیلِ احکاماتِ ہادیؐ کرنے آئے تھے
نویدِ فتح و نصرت کی منادی کرنے آئے تھے

صدا دیتے تھے لوگو شکر خالق کا بجا لاؤ
قریشی فوج کے حملے سے تم ہرگز نہ گھبراؤ

خدائے پاک نے دی ظلم کی پاداش دشمن کو
ہوئی ہے بدر کے اندر شکستِ فاش دشمن کو

سپہ سالار بھی مارا گیا سردار بھی اُن کے
نہ قائم رہ سکے پیدل بھی اور اسوار بھی ان کے

۱؎ حضرت رقیہؓ کو اللہ جل شانہ نے اپنے جوارِ رحمت میں لے لیا تھا - وہ دفن ہو رہی تھیں اور مسلمان قبر پر مٹی برابر کر رہے تھے کہ فتح بدر کی خبر آئی (خاتم المرسلین) - (بقیہ بر صفحہ آئندہ)

ابوجہل و ابوکرش و امیہ اور زمعہ بھی
ولید و عاص بھی بوالبختری بھی اور منبّہ بھی

وہ سب کے سب جو تھے ہر کارِ نیک انجام کے دشمن
رسول اللہ کے اللہ کے اسلام کے دشمن

وہ سب کے سب جو لشکر لے کے آئے تھے مدینے پر
خدا نے موت کو ترجیح دی ہے اُنکے جینے پر

ربیعہ کے پسر مارے گئے اِک آن کے اندر
ہوئے مقتول سارے کینہ ور میدان کے اندر

بہت سے آدمی پکڑے گئے ہیں فوجِ شیطاں کے
غنیمت میں ذخیرے حق نے بخشے ساز و ساماں کے

الا یا معشر الانصار یہ دن ہے مُسرّت کا
عنایت ہے نبی کی اور احسان ربِّ عزّت کا

کوئی دن اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگا سعادت کا
کہ چودہ خوش نصیبوں کو ملا رتبہ شہادت کا

دکھا کر سرفروشی جیت کر ایمان کی بازی
مدینے کی طرف واپس ہوئے ہیں تین سو غازی

خُدا رکھے سلامت ہے ہمارا کملی والا بھی
اسی کے دم سے ہے یہ نصرتِ باری تعالیٰ بھی

نوید اے طالبانِ دیدِ حق مطلوب آتا ہے!
مدینے کی طرف اللہ کا محبوب آتا ہے!

(حاشیہ متعلقہ ۱۵۳) ۲ھ بدر سے واپسی کے وقت آنحضرت صلعم نے زید بن حارث کو مدینہ کی طرف روانہ فرمایا کہ وہ آگے جا کر اہل مدینہ کو فتح کی خوشخبری پہنچا دیں (خاتم النبیین)

فتح کی خبر پر منافقین و یہود کی رائے زنی

مسلمانوں کے خفتہ بخت اس آواز سے جاگے
جناب زید یہ مژدہ سنا کر بڑھ گئے آگے

مگر جو غیر مسلم تھے لگے اب وہ بھی ہنسنے
سنی جب زید کی آواز آوازے لگے کسنے

کوئی بولا "پیام زید کیا اچھی کہانی ہے
حقیقت کچھ نہیں لیکن زباں میں کیا روانی ہے"

کوئی بولا "ارے یہ صاف بہکانے کی باتیں ہیں
صریحاً ایک فوجی چال ہے دھوکا ہے گھاتیں ہیں

مسلمانوں کی بازی بدر کے میداں میں پٹ سمجھو
بیاں جو کچھ کیا ہے زید نے اس کا الٹ سمجھو

قریش ان کو عدم کا راستہ دکھلا چکے ہونگے
مسلماں سب کے سب میدان میں کام آ چکے ہونگے

یہی حشر ان کے صاحب کا ہمیں معلوم ہوتا ہے
کم از کم اس کہانی سے یہی مفہوم ہوتا ہے

یہ ناقہ جس کا ہے اچھی طرح پہچانتے ہیں ہم
بھگا لایا ہے اسکو زید سب کچھ جانتے ہیں ہم

کوئی پوچھے سلامت ہے اگر اس قوم کا آقا
اکیلا لے کے آسکتا تھا کیونکر زید یہ ناقا

غرض یہ ہے مدینے میں کہیں بلوا نہ ہو جائے
مسلمانوں کی باقی ماندہ جمعیت نہ کھو جائے

کوئی بولا "نہیں ہم اس کو جھوٹا کہہ نہیں سکتے
یہ کہنے سے بھی لیکن باز ہرگز رہ نہیں سکتے

کہ اُس پُرہول نظّارے سے ہی خوف و ہراس اس کو
کیا ہے رنج و غم نے آج مخبوط الحواس اسکو

رفیقوں کی تباہی کا نگاہوں میں ہے نظارا
نہیں خود بھی سمجھتا منہ سے کیا کہتا ہے بیچارا

حضرت اسامہؓ ابنِ زیدؓ کا جوش

اِدھر تو اِن خبیثوں کی زبانوں پر تھیں یہ باتیں
اُدھر ایمان والوں کے لبوں پر تھیں مناجاتیں

صداقت کیش تھے اپنے خدا پر تھا یقیں ان کو
بشاراتِ محمد مصطفےٰ پر تھا یقیں اِن کو

جنابِ زید کے بیٹے اسامہؓ تھے ابھی کمسن
اُنہیں اشرار کی باتوں پہ غصّہ آگیا اس دن

یہ طنز آمیز فقرے سُن کے شانِ فوجِ ملت میں
اُٹھے، اُٹھ کر گئے اپنے پدر کے پاس خلوت میں

کہا مَیں جانتا ہوں صدق ہی جو آپ کہتے ہیں
مگر اشرارِ یثرب اس طرح اے باپ کہتے ہیں

کہا جانِ پدر! مسلم کبھی بزدل نہیں ہوتا
اگر کچھ ایسی ویسی بات ہوتی مَیں وہیں ہوتا

بھلا راہِ شہادت کو مجاہد چھوڑ سکتا ہے
حواس و ہوش کھو کر موت سے منہ موڑ سکتا ہے

ابھی یہ لوگ دیکھیں گے کہ میری بات سچّی ہے
رسول اللہ سچے ہیں۔ خدا کی ذات سچّی ہے

اسامہ مطمئن ہو کر بڑھے اشرار کی جانب
جہاں پُر زور تھا اُن کا اسی بازار کی جانب

پکارے اے یہودو اے بت پرستو کچھ تو شرماؤ
تمہارا جھوٹ ظاہر ہو چکا ہے اب تو باز آؤ

ابھی دو چار ساعت میں رسول اللہ آتے ہیں
مزا اِس فتنہ انگیزی کا تم سب کو چکھاتے ہیں

نظر آئیں گے دن کے وقت زیرِ آسماں تارے
تو جھک جائیں گی یہ بے نور آنکھیں شرم کے مارے

یہ سُن کر فتنہ پرور مُنہ اسامہ کا لگے تکنے
لگے تھے بدزباں اب اور بھی کچھ ناروا بکنے

کہ اتنے میں صدا آنے لگی اللہ اکبر کی
سواری آگئی تھی ارضِ روحا تک پیمبر کی

اُٹھے جب اس طرح نعرے خوشی کے اور تکبیریں
دلِ اشرار پہ چلنے لگیں حسرت کی شمشیریں

یہ نادم ہو کے دبکے کوئی تازہ چال کرنے کو
اسامہ بڑھ گئے حضرت کا استقبال کرنے کو

رسول اللہ اور غازیانِ اسلام کی مراجعت

نویدِ سرخوشی دے دی زمیں نے آسمانوں کو
فرشتے لے اُڑے اللہ اکبر کی اذانوں کو

ہوا جلوہ فگن طیبہ میں جب اسلام کا ہادی — منوّر ہو گئی شمس الضحیٰ کے نور سے وادی

صحابہ ہم عناں تھے صف بصف محبوبِ داور کے — شعاعیں گرد تھیں چاروں طرف خورشیدِ خاور کے

عیاں تھا سب کے چہروں سے نشانِ فتح فیروزی — سناتے تھے غنائم داستانیں فتح فیروزی

زمیں پر جب صدائے نعرہ ہائے مرحبا گونجی — فلک سے بھی ندائے نغمۂ صلِّ علیٰ گونجی

مبارکباد کی آنے لگیں پُرجوش آوازیں — مئے حبِّ رسول اللہ سے مدہوش آوازیں

قریبِ شہر پا کر لشکرِ مردانِ عالم کو — مسلماں ہر طرف سے بڑھ رہے تھے خیر مقدم کو

اُمڈ آیا ہجومِ اہلِ ایماں دید کی خاطر — ہوئی جاں بخش جو امید اسی امید کی خاطر

پیمبر اس طرح داخل ہوا اپنے مدینے میں — دمِ رفتہ پلٹ کر جس طرح آتا ہے سینے میں

محبّت کی ہوائیں وجد میں آئیں شجر جھومے — جُھکی محرابِ مسجد فرش نے بچھ کر قدم چومے

فروکش ہو گئے مسجد میں آکر حضرتِ والا — صحابہ نے بنایا چاند کے چاروں طرف ہالا

بشر کی شانِ وحدت کے جو یہ جلوے نظر آئے — ستارے بھی مبارکباد دینے کو اُتر آئے

مہاجر اور انصار آکے بیٹھے سب حضوری میں — رہا کوئی نہ بُعد و قرب خاکی اور نُوری میں

عمِّ نبی حضرت عباس بطور اسیرِ جنگ

عشا پڑھ کر تھکے ماندوں کو وقت آرام کا آیا
اُٹھا دن کا عمل شب نے کیا آفاق پر سایا

پئے آرام لیٹا کملی والا اک چٹائی پر
خدا کے فضل سے جسکو تصرف تھا خدائی پر

شہنشاہوں کا شاہنشاہ لیکن کس قدر سادہ
وہی تھا اس کا بستر اور وہی تھا اس کا سجادہ

وہ لیٹا دو گھڑی سونے کو لیکن نیند کیا آتی
کہ تھی رہ رہ کے مسجد میں دبی سی اک صدا آتی

تھے مسجد کے قریں عمِّ نبی عباس اک گھر میں
بندھی تھیں اُنکی مشکیں اور شاید درد تھا سر میں

اگرچہ جنگ میں عباس آئے تھے بمجبوری
رسول اللہ کو معلوم تھی اُن کی یہ معذوری

اگرچہ دین و ملت پر بہت احسان تھے ان کے
بحالِ کفر یہ احسان عالی شان تھے ان کے

مگر کفار کے حملے میں شرکت تھی خطا کاری
ہُوئی تھی جنگ کے میدان میں ان کی گرفتاری

چچا تھے اور کی تھی دین کی خدمت گذاری بھی
مگر انصاف کو مشکل تھی انکی پاسداری بھی

---

[1] دیکھو سیرت النبی۔

بندھے تھے جس طرح سب دشمنِ اسلام قیدی تھے	کہ یہ بھی دوسروں کے ساتھ ہی اک عام قیدی تھے
کراہتے دم بدم عباس درد و کرب کے مارے	بندھے تھے دست و پا کروٹ نہ لے سکتے تھے بیچارے
رسول اللہ کو بھی درد تھا ان کی اذیت سے	کہ یہ خدمت کیا کرتے تھے پورے صدق نیت سے
اُدھر وہ ہلکے ہلکے زیرِ لب اک آہ کرتے تھے	ادھر بے چین ہو کر آپ ٹھنڈی سانس بھرتے تھے
صحابہ سو رہے تھے صحنِ مسجد میں تھکے ہارے	ردائے ماہ میں لپٹے ہوئے ہوں جس طرح تارے
نبی نے کروٹیں بدلیں جو یوں بیتاب ہو ہو کر	صحابہ جاگ اُٹھے خواب سے بے خواب ہو ہو کر
گذارش کی سبب کیا ہے حضور اس بے قراری کا	مزاج اچھا تو ہے نامِ خدا محبوبِ باری کا
کہا بے تابیٔ عباس سے ہے مجھ کو	حقوقِ خدمتِ دیرینہ کا احساس ہے مجھ کو
وہ قید و بند کی تکلیف سے جب تلملاتا ہے	تو اس کی خدمتِ حق کا زمانہ یاد آتا ہے
گذارش کی غلاموں نے اگر سرکار فرمائیں	ابھی عمِ نبی کے بند ڈھیلے کر دیے جائیں

۵۱ غزوۂ بدر میں کافروں کی طرف تھے۔ اور مثل اور کافروں کے یہ بھی قید ہو کر آئے تھے۔ بندش سخت تھی۔ جس سے یہ کراہتے تھے۔ اور ان کے کراہنے سے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو بے چینی ہوتی تھی۔ (ازالۃ الخفا)

کہا جب دوسرے انساں بھی ہیں اس قید کے اندر
کروں گا میں نہ ہرگز فرق عمرو زید کے اندر[1]

جھکایا سر بہ منشائے نبی پاکر صحابہؓ نے
کمندیں نرم کیں ہر ایک کی جا کر صحابہؓ نے

اسیروں نے جو قیدِ سخت سے یوں مخلصی پائی
تو چشمِ دردمندِ دردمنداں میں بھی نیند آئی

مکے میں شکست کی خبر

یہاں کا حال دیکھا اب وہاں کا رنگ بھی دیکھیں
ذرا چل کر شکستِ بانیانِ جنگ بھی دیکھیں

نہ تھا باطل کے دل میں ہم تک اپنی خرابی کا
ہمہ تن شہر مکہ منتظر تھا فتحیابی کا

بہت غرہ تھا سازِ جنگ پر جنگی لیاقت پر
یقیں رکھتے تھے اپنی فوج کی تعداد و طاقت پر

بہت عاجز سمجھتے تھے محمدؐ کے غلاموں کو
وطن سے کرچکے تھے بے وطن عالی مقاموں کو

انہیں پورا یقیں تھا فوج فاتح بن کے آئے گی
مسلمانوں کے سر مالِ غنیمت ساتھ لائے گی

نویدِ فتح مندی کا تھا ایسا اعتبار ان کو
کہ گھر میں بیٹھے رہنے پر نہ آتا تھا قرار ان کو

۱؎ دیکھو زرقانی حالات عباس بن عبد المطلب۔

جما کر خون کے منظر خیالوں اور نگاہوں میں — نکل کر بیٹھ جاتے تھے بسا اوقات راہوں میں

حجر میں ایک دن صفوان و اہل مکہ بھی آ کر — اسی امید پر بیٹھے ہوئے تھے شہر سے باہر

نظر آیا کہ بھاگم بھاگ اک انسان آتا ہے — سراسیمہ۔ ہراساں اور بے سامان آتا ہے

نہیں تھی ستر کی سُدھ بدھ نہ پیچھا تھا نہ آگا تھا — مسلمانوں سے لڑ کر بدر کے میداں سے بھاگا تھا

سماتا تھا نہ اُس کے پیٹ میں دم ہول کے مارے — زباں پر اسکے تھا "مارے گئے مارے گئے سارے"!!

یہ اک مردِ خزاعی[1] تھا اسے لوگوں نے پہچانا — کسی نے راستے میں اس کو لُوٹا ہے یہ گردانا

کہا۔ اے مردِ سودائی یہ کیسی دُھن سمائی ہے — کہ یُوں "مارے گئے مارے گئے" کی رٹ لگائی ہے

وہ بولا واقعی مارے گئے مارے گئے سارے — یہ بولے کون؟ وہ بولا سبھی سردار بیچارے

یہ اب بھی کچھ نہ سمجھے اور پوچھا تُو نے کیا دیکھا — وہ بولا کچھ نہیں بس بھاگ آنے میں مزا دیکھا"

یہ سمجھے فتح ہو جانے سے پہلے بھاگ آیا ہے — بڑا بزدل ہے دل میں موت کا خطرہ سمایا ہے

---

[1] شکست خوردہ مشرکین میں سے حیسمان خزاعی سب سے پہلے مکے پہنچا۔ لوگوں نے پوچھا۔ لڑائی کا کیا انجام ہوا۔ وہ نہایت پریشانی کے ساتھ گھبرا کر کہنے لگا۔ سب مارے گئے۔

(خاتم المرسلین)

کہا مارے گئے جو لوگ اُن کا نام تو لینا! — وہ بولا میں بتاتا ہوں مجھے پانی ذرا دینا

ملا پانی تو اس بھاگے ہوئے کے دم میں دم آیا — توانائی جو پائی پھر اسی صورت سے چلّایا

اجی کشتوں کے پُشتے لگ گئے اک آن کے اندر — بڑے سردار سب مارے گئے میدان کے اندر

یہ سمجھے ذکر کرتا ہے مسلمانوں کے لشکر کا — صفایا ہوگیا اس قوم کے ہر ایک افسر کا

کہا اچھا ہُوا مارے گئے۔ تم ہوش میں آؤ — جو مارے جاچکے تھے ہم کو سب کے نام بتلاؤ"

وہ بولا کیا کہا اچھّا ہُوا مرنا بزرگوں کا — تمہیں تو آج ماتم چاہیے کرنا بزرگوں کا

بہت روئے گی قرشی قوم اُن عالی نژادوں کو — جو لے جاتے تھے میداں میں سواروں اور پیادوں کو

سپہ سالار عتبہ۔ بوالحکم۔ بوکرش اور شیبہ — ولیدؔ عاص۔ امیہ بن خلف۔ بوبختری۔ زمعہ

سبھی مارے گئے اسود کے اور حجّاج کے بیٹے — ہبل کے نام پر قربان ہوئے تقدیر کے ہیٹے

صفوان بن امیہ کا شک و شبہ

ہنسا[1] یہ سُن کے صفوان اور بولا طرفہ مضموں ہے — یہ اپنے ہوش میں ہرگز نہیں پاگل ہے مجنوں ہے

---

[1] مقتولین کے شمار میں ایسے ایسے معززینِ قریش کے نام جو لئے گئے تو صفوان بن (بقیہ حاشیہ ص ۱۶۴)

زباں پر نام ہی کمبخت کی ان بخت کاروں کا
جو تنہا جنگ میں منہ پھیر دیتے ہیں ہزاروں کا

بھلا اس سے مری نسبت تو پوچھو کیا بتاتا ہے
مجھے پہچانتا ہے یا سنانی ہی سناتا ہے!

کہا اچھا بتا۔ صفواں کو کس حال میں دیکھا
وہ بھاگ آیا کہ اسکو موت ہی کے جال میں دیکھا

وہ بولا خوب۔ گویا تم مجھے مجنون سمجھے ہو
مرے سچے بیاں کو اور ہی مضمون سمجھے ہو

یہ کیا بیٹھا ہوا ہے سامنے صفواں بیچارا
مسلمانوں نے جسکے بھائی کو اور باپ کو مارا

یہ سنکر بکے بکے رہ گئے شیطان کے بندے
ہزیمت پر یقین لاتے نہ تھے سامان کے بندے

شکست خوردہ مشرکین کی عام واپسی

مگر کچھ دیر میں بھاگے ہوئے کچھ اور بھی آئے
اسی حالت میں آئے اور ایسی ہی خبر لائے

زبردستوں کے لاشے چھوڑ آئے زیردستوں میں
ہوا کہرام برپا ہر طرف باطل پرستوں میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۳) ابیہ نے کہا اسکی عقل ٹھکانے نہیں ہے۔ بھلا میری نسبت تو پوچھو۔ دیکھو کیا کہتا ہے۔ لوگوں نے صفوان کے متعلق پوچھا۔ اُس نے اشارہ کر کے کہا۔ وہ کیا سامنے صفوان بیٹھا ہے (خاتم المرسلین از شرر)

غرض اب یہ بھی آ اور وہ بھی آ جو بدر سے بھاگے
یہاں ہر طرف کے آ پہنچے کوئی پیچھے کوئی آگے

وہ زرہیں اور بکتر اور ملبوساتِ فولادی
وہ شمشیر افگنی وہ جوش وہ فن اور وہ اُستادی

وہ ڈھالیں اور تلواریں۔ وہ تیر و نیزہ و خنجر
کہ نکلے تھے بھروسہ کر کے جن سامان کے اُوپر

وہ خیمے اونٹ گھوڑے اور سامانِ رسد ان کا
وہ چیزیں اہلِ ظاہر کو تھا ہر دم آسرا جن کا

یہ سب دے کر بمشکل اپنی جانیں لے کے آئے تھے
بسانِ زخم فریادی زبانیں لے کے آئے تھے

مکّے میں کہرام

غرض اب شہرِ مکّہ میں ہزیمت کی خبر پہنچی
مصیبت کُو بکُو خانہ بخانہ۔ در بدر پہنچی

ابھی تیاریاں تھیں فاتحوں کے خیر مقدم کی
ابھی آنے لگی ہر سو صدا فریاد و ماتم کی

گھروں سے مرد۔ عورت بُوڑھے بچے سب نکل آئے
عوام و خاص بڈّھے اور بچّے سب نکل آئے

اکٹھے ہو گئے اک چوک میں سب چیخنے والے
پڑی ہلچل۔ اُٹھے فریاد و آہ و زاریاں نالے

ہزیمت خوردگاں نے انکو سارا حال بتلایا
مگر یہ کیا ہوا۔۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا

شکست کی رُوداد اور بولہب کی مایوسی

پکارا بولہب لوگو ذرا خاموش ہو جاؤ / تم آؤ اے ابوسفیاں ہمیں یہ بات سمجھاؤ

مُجھے معلوم ہے تعداد میں وہ لوگ تھوڑے ہیں / نہ انکے پاس تلواریں نہ انکے پاس گھوڑے ہیں

نہ اُن لوگوں کا امدادی ہے دنیا میں کہیں کوئی / سوائے حمزہؓ فنِ جنگ سے واقف نہیں کوئی

ہمیں جھک کر سلامیں کرتے رہتے تھے سرِ راہے / وہ حرب و ضرب کیا جانیں بھلا یثرب کے چرواہے

وہ کھیتی باڑی کرنا جانتے ہیں جنگ کیا جانیں / وہ بیچیں بکریوں کا دودھ خوں کا رنگ کیا جانیں

اُنہیں تو رات کے کھانے کو روٹی تک نہیں ملتی / ٹھہرنے کیلئے تنبو تنبوٹی تک نہیں ملتی

کہاں سے مل گئی آخر کمک میرے بھتیجے کو / کہ ایسا لشکرِ جرّار پہنچا اس نتیجے کو

بتاؤ وہ کون سی بجلی گری تیغ آزماؤں پہ / کہ اس کا اک خُدا غالب ہوا اتنے خداؤں پہ

فلک بھی کانپ جاتا تھا ہمارے سورماؤں سے / عرب کی خاک تھرّاتی تھی تلواروں کی چھاؤں سے

مجھے بتلاؤ تم میدان میں کس بات سے ہارے / قریشی فوج میں جنگ آزمودہ تھے جواں سارے

طلسمی کارخانہ تو نہ تھا میدان تھا آخر
وہ سب مارے گئے پکڑے گئے یہ کیا ہوا آخر

ماتم کرنے والوں کو ابوسفیان کی فہمائش

بڑے لوگوں کے مرنے سے سپہ سالار تھا سب کا[1]
ابوسفیاں کہ بعدِ بولہب سردار تھا سب کا

ہمیں کیا ہو گیا تھا یہ سمجھ اب تک نہیں آئی
وہ اب ناچار اٹھا اور بولا اے بڑے بھائی!

زمیں پر پڑھ دیا افسوں ہوا میں بھر دیا جادو
تمہارے اس بھتیجے نے کچھ ایسا کر دیا جادو[2]

نہتوں کے مقابل کچھ بھی کام آئیں نہ شمشیریں
ہوئی کایا پلٹ جیسے پلٹ جاتی ہیں تقدیریں

---

[1] بیشک رؤسا زادے اب بھی قریش میں کافی موجود تھے اور وہ لوگ بھی تھے جو ریاست کی صف دوم میں شمار کئے جا سکتے تھے۔ مگر وہ بڑے سردار جو اسلام کے خلاف معاندانہ کارروائیوں کی روح رواں تھے سب خاک میں مل گئے تھے...... ابوسفیان رہ گیا تھا۔ بدر کے بعد اس کے سر قریش کی سرداری کا تاج رکھا گیا۔ (ابن ہشام و طبری بحوالہ خاتم النبیین)

عتبہ اور ابوجہل کی موت نے قریش کی ریاست عامہ کا تاج ابوسفیان کے سر پہ رکھا جس سے دولت اموی کا آغاز ہوا لیکن قریش کے اصلی زور و طاقت کا معیار گھٹ گیا۔ (سیرت النبی)

[2] نقلِ کفر کفر نہ باشد۔ یہ مشرکینِ عرب کی عام ذہنیت کا نقشہ ہے (مصنف)

مسلماں کچھ نہ تھے لیکن وہ سب کچھ ہو گئے ہمدم
تھے اُنکے ہاتھ وقتِ جنگ بھیڑوں کی طرح سہم

مگر بے فائدہ اس وقت کا یہ رونا دھونا ہے
ہمیں پھر جنگ کرنے کیلئے تیار ہونا ہے

اگر ہم آج روئے اس سے دو نقصان پہنچیں گے
ہمیں بے بس سمجھ کر وہ یہاں بھی آن پہنچیں گے

ہنسیں گے مضحکہ ہم پر اُڑائیں گے وہ جی چاہے
مبادا اور کچھ اس سے زیادہ اُن کا جی چاہے

ہنسی اُن کی زیادہ تلخ ہو گی اس ہزیمت سے
عرب میں قوم گر جائے گی اپنی قدر و قیمت سے

قریشی بھائیو لازم ہے ماتم ملتوی کر دو
عزاداری علی الاعلان یکدم ملتوی کر دو

منادی شہر میں کر دو نہ مُردوں پر کوئی روئے
کرے تیاریاں ہر کوئی غفلت میں نہ دن کھوئے

یہ خونیں آتشِ غم اپنے سینوں میں سلگنے دو
دھواں باہر نہ اٹھنے پائے اندر آگ لگنے دو

یہ آگ اک دن جلائے گی مسلمانوں کے خرمن کو
بھسم کر دے گی اس نوخیز نوزائیدہ گلشن کو

---

۱ متعدد معتبر روایات میں ہے کہ ابوسفیان بن حرب مجمع قریش میں کھڑا ہوا اور کہا کہ اے گروہ قریش اپنے مقتولوں کے ماتم میں نہ نوحہ کرو نہ نوحہ خوانی۔ نہ کوئی شاعر ان پر مرثیہ پڑھے۔ کیونکہ اگر تم ایسا کروگے تو یہ امر تمہارے غم و غصہ کو زائل کر دیگا۔ علاوہ ازیں اگر اصحاب محمد کو تمہارے گریہ و بکا کی خبر پہنچے گی تو وہ لوگ شماتت کرینگے اور ان کی طعنہ زنی اس شکست سے بھی ناقابلِ برداشت ہوگی۔

کیا موقوف اپنا عیش و عشرت یک قلم میں نے
کہ کھائی آج سے غسلِ جنابت کی قسم میں نے

قسم ہے لات و عزیٰ کی میں بدلہ لے کے چھوڑوں گا
مسلمانوں کا اور اُن کے خدا کا زور توڑوں گا

ہندِ جگر خوار کا غم و غصّہ

یہ سُن کر چھا گیا اس ماہ وش پر ایک سناٹا
ہُوا معلوم باطل کو کہ رونے میں بھی ہے گھاٹا

ابو سفیان کی بیوی ہند[1] اُٹھی اور یُوں بولی
کہ خیر اب تو ہمارے ساتھ جو ہونی تھی وہ ہو لی

میرے باپ اور چچا اور بھائی کو حمزہ رضؓ نے مارا ہے
بڑے سردار تھے جن کو اجل کے گھاٹ اُتارا ہے

پیونگی مَیں بھی اب اسکا لہو اور گوشت کھاؤں گی
کلیجہ اور گردے اپنے دانتوں سے چباؤں گی

نہیں لیکر گئے تم عورتوں کو جنگ کے اندر
اسی باعث تو ٹھہرے وقتِ نام و ننگ کے اندر

بوقتِ جنگ گانے والیاں بھی تم نے لوٹا دیں
تھرکنے دف بجانے والیاں بھی تم نے لوٹا دیں

اگر وہ ساتھ رہتیں بھاگنے سے روکتیں تم کو
تمہاری پیٹھ پھرتی دیکھتیں تو ٹوکتیں تم کو

---

[1] عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی امیر معاویہ کی ماں ابو سفیان کی بیوی ہند جو جنگ اُحد کے بعد جگر خوار کے نام سے مشہور ہوئی۔

چلو اب عورتیں بھی ساتھ ہی میداں میں جائینگی
بوقتِ جنگ اپنے شوہروں کا دل بڑھائینگی

کیا ہے ترک اپنا بننا ٹھننا آج سے مَیں نے
قسم ہر بات کی کھالی ہے قومی لاج سے میں نے

کرونگی جنگ کے سامان کی ہر وقت تیاری
چلیں گی ساتھ میرے جنگ کے دن عورتیں ساری

مسلمانوں کے حق میں ڈائنیں بن جائینگی ہم بھی
عزیزوں دوستوں کا بدلہ لے کر آئیں گی ہم بھی

مکّے میں انتقامی جنگ کی تیاریاں

یہ تقریریں ہوئیں اور ہو گیا برخاست ہنگامہ
بڑھا پھر سوئے گمراہی براہِ راست ہنگامہ

بھڑک اٹھی دلوں میں اور بھی اب آگ کینے کی
نہیں سُوجھی سوائے جنگ کوئی راہ جینے کی

اگرچہ آپ خود چل کر گئے تھے قتل و غارت کو
مدینے کی طرف لوگوں کی تذلیل و حقارت کو

مگر جب منہ کی کھائی بدر میں باطل پرستوں نے
زبردستوں کے اُوپر فتح پائی زیردستوں نے

تو اب لازم یہ تھا آنکھیں کھلیں کچھ ہوش آجائے
جہالت میں تو آیا عقل میں بھی جوش آجائے

سمجھ جائیں کہ اب کچھ اور ہے منشا مشیّت کا
خدا کو خاتمہ منظور ہے اِس بربریت کا

مگر یہ خود سر و خود بیں خدا کو مانتے کب تھے ! سوا اپنے بتوں کے اور کو گردانتے کب تھے !

خیال اُنکا یہ تھا ہم جس کو چاہیں قتل کر ڈالیں کسی کا خُون پی جائیں کسی کو نوچ کر کھالیں

اُنہیں لازم ہے جن پر چھا کے ہم تیغِ علم کر دیں ہمارے سامنے آ کر سرِ تسلیم خم کر دیں

کسی کو حق نہیں حاصل کہ ہم کو ظلم پر ٹوکے کرے اپنی حفاظت یا ہمارے وار کو روکے

ہماری قوم ہے نوعِ بشر سے افضل و بہتر ہمیں ہیں سب سے اعلیٰ اور دنیا کمتر و بدتر

خودی اور خود پرستی بس یہ تھا مدت سے حال اُنکا کئی نسلوں سے پختہ ہو چکا تھا یہ خیال ان کا

عرب کے لوگ جب مکّے میں حج کرنے کو آتے تھے تو ان کے واسطے نذریں نیازیں ساتھ لاتے تھے

طفیلِ کعبہ ہوتا تھا زمانے میں ادب ان کا جو کہہ دیتے تھے یہ بس مانتے تھے حکم سب ان کا

تحکّم اور تعدی کو یہ اپنا حق سمجھتے تھے کوئی روکے تو اس کو بر سرِ ناحق سمجھتے تھے

رسول اللہ سے تھی بس یہی وجہِ عناد ان کو کہ ملتی تھی نہ اب بیداد کی حضرت سے داد ان کو

ڈراتے تھے رسولِ پاک انہیں قہرِ الٰہی سے بدی سے باز آئیں تاکہ بچ جائیں تباہی سے

مگر حق دشمنی ہے ایک خاصہ فطرتِ بد کا تو ہر بدکار پھر دشمن نہ کیوں ہوتا محمّد کا

انتقام کی تدبیریں

منا ہی ہو چکی تھی اب علی الاعلان رونے کی ۔۔۔ اجازت ہی نہیں تھی قومی آن رونے کی
بپاسِ شرم گو اب اہلِ مکہ رو نہ سکتے تھے ۔۔۔ لگی تھی آگ دل میں چین سے بھی سو نہ سکتے تھے
ستورنا کھانا پینا ہو گیا یکسر حرام اُن کا ۔۔۔ کہ ہر دم وِرد تھا الانتقام الانتقام اُن کا

---

۱۵ غیرت کی وجہ سے منادی کرا دی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے۔ اس لڑائی میں اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے اس کا دل امڈا آتا تھا۔ لیکن قومی غیرت کے خیال سے رو نہ سکتا تھا۔ اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی۔ سمجھا قریش نے رونے کی اجازت دیدی ہے۔ غلام سے کہا۔ دیکھنا کون روتا ہے۔ کیا رونے کی اجازت ہو گئی۔ میرے سینے میں آگ لگ رہی ہے۔ جی کھول کر رو لوں تو تسکین ہو جائے۔ غلام نے آکر کہا۔ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے اس کے لئے رو رہی ہے۔ اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے۔

اتبکی ان یضل لہا بعیر	اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہی۔ اسکو
ویمنعہا من النوم السہود	نیند نہیں آتی اونٹ پرست رو بد بر
ولا تبکی علی بکر ولکن	آنسو بہا جہاں قسمت نے کمی کی تجھ کو
علی بدر تقاصرت الجدود	رونا ہے تو عقیل پر رو اور حارث
فبکی ان بکیت علی عقیل	پر رو جو شیروں کا شیر تھا۔
وبکی حارثا اسد الاسود	(سیرت النبی)

قریش اب جنگ کی ہر طرح تیاری لگے کرنے / یہ خوں آشام پھر اقدامِ خونخواری لگے کرنے

تجارت کے منافع سے خریدے اسلحہ سب نے / کئے حاصل نئے ملبوس راکب اور مرکب نے

قبائل کی طرف بھیجے گئے منّاد مکّے سے / کہ پھر اُٹھنے کو تھا طوفانِ استبداد مکّے سے

ابولہب کی مرگِ مایوسی

تھا ان میں بولہب اللہ کا سب سے بڑا دشمن / رسول اللہ کا بچّا مخالف اور کڑا دشمن

ہوا صدمہ کچھ ایسا بدر کی روداد سے اسکو / ندامت آئی اپنی حسرتِ برباد سے اس کو

ہمیشہ جس بھتیجے کو دیا کرتا تھا ایذائیں / غلام اس کے بروزِ جنگ یوں فتح و ظفر پائیں

سنا لوگوں کے منہ سے جب یہ حال اپنے بھتیجے کا / نہ دیکھا جا سکا اُس سے جلال اپنے بھتیجے کا

مسلمانوں کے بچ رہنے کا تھا رنج و الم اس کو / جہنّم میں اُٹھا کر لے گیا آخر یہ غم اس کو

کسی طاعون نے مارا نہ قاتل روگ نے مارا / اسے شیطاں کی مرگِ دائمی کے سوگ نے مارا

۱؎ ابولہب بن عبدالمطلب ایسا دل شکستہ ہوا کہ چند روز بعد طاعون میں مبتلا ہو کے مر گیا (ابنِ ہشام)

بعدِ جنگ بدر مدینے کی صورت حالات

قیدیانِ جنگ کا مسئلہ

اُدھر مکے میں تھی دربکار خون و رنگ کی صورت
اِدھر پیشِ نظر تھی قیدیانِ جنگ کی صورت

برائے انعقادِ مشورت فرماں ہوا جاری
مؤدب ہو کے آ بیٹھے مہاجر اور انصاری

رسالت نے پڑھایا تھا سبق توحید کا جب سے
یہ بندے اپنے اللہ کے سوا بےخوف تھے سب سے

زمانے کو سبق آموز تھا ایمان ان سب کا
کہ سر خم تھا۔ زباں شاکر تھی دل تھا مطمئن سب کا

سر سینہ کو وقفِ تیغ و خنجر کر کے آئے تھے
رہِ حق میں یہ پہلا معرکہ سر کر کے آئے تھے

مگر اس فتح پر کوئی نہ شورش تھی نہ ہنگامہ
نہ کوئی ناچ گانا تھا۔ نہ باجے تھے نہ دمامہ

نہ اپنے زورِ بازو کی کہیں تعریف ہوتی تھی
نہ اندازِ شجاعت کی کوئی توصیف ہوتی تھی

حریفوں کی مذمت بھی نہ تھی انکی زبانوں پر
نہ کمزوروں پہ کوئی طنز تھی سنے پہلوانوں پر

نتیجہ ہو چکا تھا آئینہ آئینِ بدعت کا
حریفوں کی شکست ان کیلئے تھی درسِ عبرت کا

اُسے آنکھوں سے دیکھا تھا۔ جو فرمایا تھا ہادیؐ نے
دکھایا تھا یہ دن اسلام پر خوش اعتقادی نے

لڑے تھے ملک کی خاطر نہ اپنے نام کی خاطر
فقط اسلام کی خاطر۔ فقط اسلام کی خاطر

پیمبرِ اسلامؐ مشورہ طلب فرماتے ہیں[1]

تھے قلب انکے سراسر حرصِ ملک و مال سے خالی
رسول اللہؐ نے ان پر محبت کی نظر ڈالی

ہوا ارشاد اے حق دوستو اللہ کے بندو
اسیروں کیلئے کیا رائے رکھتے ہو خردمندو؟

یہ سب اشرافِ مکہ سربلند و زور آور ہیں
قریش ان کا لقب ہے بحرِ جرأت کے شناور ہیں

ہوئے جو بدر میں مقتول وہ سب ان سے بڑھ کر تھے
وہ اپنی قوم میں شاید بہت لوگوں سے بہتر تھے

برے تھے یا بھلے اعمال ان کے صاف ظاہر تھے
خدا کے حق میں بد تھے اور نبی کے حق میں قاہر تھے

انہیں نیچا دکھایا ان کے اپنے جورِ ناحق نے
تمہارے قبضۂ قدرت میں ان کو دیدیا حق نے

تمہاری رائے پر ہے فدیہ لیکر چھوڑ دینا بھی
مناسب ہو تو رشتہ جان و تن کا توڑ دینا بھی

---

[1] آنحضرتؐ نے مدینہ میں آکر صحابہ سے مشورہ کیا۔ کہ اسیرانِ جنگ کے معاملے میں کیا کیا جائے (سیرت النبی)

کیا ہے حق نے آخر سرنگوں باطل پرستوں کو
زبر دستوں پہ غالب کر دیا ہے زیر دستوں کو

تمہاری رائے پر موقوف ہے اب فیصلہ ان کا
سمجھ سے کام لو نازک بہت ہے مسئلہ ان کا

غرض امت کو اپنی رائے کا مختار فرما کر
ہوا خاموش پیغمبر یہ استفسار فرما کر

صدیقِ اکبر رضؓ کی رائے

اُٹھے صدیقِ اکبر عرض کی اے ہادیٔ دوراں
میرے ماں باپ اللہ اور رسول اللہ پر قرباں

حضور ان قیدیانِ جنگ پر احسان فرمائیں
کہ شاید بعض ان میں سے کبھی ایمان لے آئیں [1]

بجا ہے واقعی یہ لوگ جابر اور قاہر ہیں
ستم کرنے میں ہیں مشّاق جلّادی میں ماہر ہیں

بجا ہے قلب انکے سخت ہیں کینہ ہے سینوں میں
یہ قوم اب تک نہیں ہی ظلم کے انجام بینوں میں

---

[1] حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہیں فدیہ لیکر چھوڑ دیئے جائیں
حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی کہ میری رائے میں تو ان کو فدیہ لیکر چھوڑ دینا چاہیئے
کیونکہ آخر یہ لوگ اپنے بھائی بند ہیں۔ کیا تعجب ہے کہ کل انہیں میں سے فدائیان اسلام
پیدا ہو جائیں۔ (خاتم النبیین)

مگر شاید کبھی اللہ کی جانب سے ہدایت ہو | انہیں بھی نورِ ایماں درگہِ حق سے عنایت ہو
یہ لوگ آخر نبی کی قوم ہیں شاید سنبھل جائیں | خدا ول پھیر دے شیطاں کے پنجے سے نکل جائیں
رہا فدیہ سو یہ دستورِ کارِ انتقامی ہے | غلام ان قیدیوں کے چھوڑ دینے ہی کا حامی ہے

حضرت عمر فاروق رضؓ کی رائے

یہ باتیں سن رہے تھے غور سے اہلِ صفا بیٹھے | گذارش کر کے اپنا مشورہ صدیق ؓ آ بیٹھے
عمر فاروق ؓ اُٹھے عرض کی اے سرورِ عالم | نہیں ہے آپ سے بڑھ کر کوئی اسرار کا محرم
یہ قیدی ہیں خدا کے اور رسول اللہ کے دشمن | بہت کج رو بہت کج فہم سیدھی راہ کے دشمن
یہ تکیّے ہیں ضعیفوں پر ہزاروں ظلم ڈھاتے تھے | ہمیشہ زیر دستوں کو زبردستی دکھاتے تھے
یہی وہ ہیں یتیموں سے نوالے چھیننے والے | سرِ نرم فقیروں کے پیالے چھیننے والے
یہی وہ ہیں نبی کی جان لینے پر تھے آمادہ | فقط اس جرم پر کیوں ہو وہ اک اللہ کا دلدادہ
شکنجوں میں کسا کرتے تھے ایماں لانے والوں کو | عدم کی رہ دکھاتے تھے ہدایت پانے والوں کو

یہ بہر اہلِ دیں پھیلا چکے تھے موت کے پھندے
وطن سے بے وطن ہیں انکے ہاتھوں سینکڑوں بندے

مسلمانوں کو بے گھر کر کے بھی ان کو نہ صبر آیا
کہ اب لشکر مدینے پر بعزمِ قہر و جبر آیا

نبیؐ پر حال آئینہ ہیں باطن اور ظاہر کے
یہی تو سر غنے ہیں کافروں کی فوجِ قاہر کے

اگر چھوڑا گیا ان کو یہ پھر لڑنے کو آئیں گے
پرانے مدعی ہر دم نئے فتنے اٹھائیں گے

ہمیشہ ان سے پہنچیں گی مسلمانوں کو ایذائیں
مناسب ہے کہ عالی جاہ سب کو قتل فرمائیں[1]

اگر چھوڑا گیا۔ یہ مضحکہ ہم پر اڑائیں گے
کبھی ایماں نہ لائینگے کبھی ایماں نہ لائینگے

گئے وہ دن کہ رشتہ دار تھے یہ لوگ ہم سب کے
ہم ان سے اور یہ ہم سے بے تعلق ہو چکے کب کے

مناسب ہے کہ مسلم دین پر ہر چیز کو وارے
کہ ہر شخص اپنے رشتہ دار کو خود ہاتھ سے مارے

ہماری رشتہ داری دین داری سے ہی وابستہ
میری دانست میں اس وقت سیدھا ہے یہی رستہ

ہے ان کا قتل ہی واجب کہ یہ ملت فسادی ہے
یہ اک رائے ہے آگے جس طرح ایمائے ہادیؐ ہے

له حضرت عمرؓ نے کہا کہ دین کے معاملے میں رشتہ داری کا کوئی پاس نہ ہونا چاہیئے۔ اور یہ لوگ اپنے افعال سے قتل کے مستحق ہو چکے ہیں بس میری رائے میں ان سب کو قتل کر دینا چاہیئے۔ بلکہ حکم دیا جائے کہ مسلمان خود اپنے اپنے ہاتھ سے رشتہ داروں کو قتل کریں۔ (خاتم النبیین)

رحمۃ للعلمینؐ کی اُمّت کا فیصلہ

یہ دونوں مختلف رائیں سنیں سرکارِ عالی نے
تو دیکھا اپنی امت کی طرف اُمّت کے والی نے

نظر آیا کہ سب خاموش ہیں سر در گریباں ہیں
تدبّر کر رہے ہیں فکر میں غلطاں و پیچاں ہیں

یہ مشکل مسئلہ حل ہو نہیں سکتا بآسانی
اِدھر ہی امن خطرے میں اُدھر ہے جانِ انسانی

نبوّت کو مگر مدِّنظر تعلیمِ ملّت تھی
کہ غور و خوض کی عادات پر تنظیمِ ملّت تھی

خموشی سے اُٹھا حجرے میں داخل ہو گیا ہادیؐ
کہ باہم گفتگو کر لے یہ جمعیّت بآزادی

اجازت پائی جب اس امر کی ہادیؐ سے امت نے
کیا اب رائے کا اظہار آزادی سے امت نے

میانِ بحث تھیں صدیقؓ اور فاروقؓ کی رائیں
کہ ہر پہلو سے قطعی اور جامع تھیں یہی رائیں

اگرچہ مختلف تھیں رائیں دونوں حق پسندوں کی
مگر نیت تھی واحد مالکِ واحد کے بندوں کی

ہر اک یہ چاہتا تھا دین ہی کا بول بالا ہو
مٹے باطل کی ظلمت دہر میں حق کا اُجالا ہو

طریقے مختلف مقصد تھا لیکن ایک دونوں کا
ارادہ بہرِ ملّت تھا سراسر نیک دونوں کا

یہ رائیں ایک ہی تصویر کے دو رنگ تھے گویا
یہ رائیں ایک ہی نغمے کے دو آہنگ تھے گویا

اگر اس سمت شانِ رحم کی دریا نوالی تھی
تو اس جانب وقارِ عدل کی محکم خیالی تھی

ہوئی لیکن اسی نقطے پہ ملت متحد ساری
سرِ اجماعِ اُمت رحم کا پلّہ رہا بھاری

مشیت تھی یہی یہ فیصلہ بالکل یقینی تھا
کہ اس اُمت میں رنگِ رحمۃ للعٰلمینی تھا

ارشادِ پیغمبر دربارۂ اسیرانِ جنگ

رسول اللہ تھوڑی دیر میں تشریف لے آئے
صحابہ ایک ہی رائے کے اوپر متحد پائے

کہا۔ بوبکر اس اُمت میں ابراہیم ہیں گویا
کہ اعمال ان کے عفوِ عام کی تعلیم ہیں گویا

گنہ گاروں کی آمرزش کا طاری ہی خیال ان پر
ہے صادق بات بیضا میں عیسیٰ کی مثال ان پر

ﻪﻠ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم نے آگ میں ڈالا تو آپ نے صرف یہ فرمایا فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ یعنی جس نے میری پیروی کی وہ مجھ ہی میں سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی۔ پس تو آمرزگار اور رحم کرنے والا ہے۔

ﻪﻋ حضرت عیسیٰ نے اپنی امت کیلئے دعا فرمائی تھی اِنْ تُعَذِّبْهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ (بقیہ حاشیہ برصفحہ ۱۸۱)

مثالِ نوحؑ ہیں گویا عمر فاروقؓ اُمت میں ۔۔ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّار محکم ہیں طبیعت میں

یہ ہیں کفار کے حق میں مثالِ موسیٰؑ عمراں ۔۔ کہ رکھتے ہیں طبیعت میں جلالِ موسیٰؑ عمراں

مگر جب کر چکے ہو فیصلہ تم اے جواں مردو ۔۔ تو اچھا قیدیوں کو سر بہا لے کر رہا کردو

مگر ایسے بھی ہیں ان میں جو فدیہ دے نہیں سکتے ۔۔ رعایت تم نے دیدی ہے مگر وہ لے نہیں سکتے

وہ سب انصار بچوں کو نوشت و خواند سکھلائیں ۔۔ نوشت و خواند سکھلا کر سوئے مکہ چلے جائیں

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۰) لَهُم فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْم - یعنی ان لوگوں پر عذاب کرے گا تو یہ تیرے بندے ہی تو ہیں - اور اگر ان کو معاف کردے گا - تو ہر آئینہ تو بڑا حکیم ہے -

۵۱ حضرت نوحؑ نے اپنے وقت کے نافرمانوں کیلئے فرمایا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا یعنی اے خدا روئے زمین پر کافروں میں کسی کو آباد نہ رہنے دے ؛

۵۲ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ یعنی اے پروردگار ان کے مالوں کو مٹا ڈال جوان کی سرکشی کا باعث ہے - اور ان کے دلوں میں سختی ڈال کیونکہ جب تک یہ عذاب نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے -

۵۳ خدائے رحیم کے رحمدل نبی نے تاوان لے کر چھوڑ دینے کا فیصلہ کردیا - (رحمۃ للعالمین)

۵۴ پڑھے لکھے اسیروں کا تاوان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مقرر فرمایا کہ وہ انصار کے بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں - چنانچہ حضرت زید بن ثابت نے اسی طرح لکھنا پڑھنا سیکھا +

(رحمۃ للعلمین)

جو مفلس بھی ہیں ناخواندہ بھی ہیں انکو رہا کر دو
عَلم احسانِ اسلامی کا دنیا میں بپا کر دو

اسیروں کو ہمیشہ عزّت و اکرام سے رکھنا
کوئی صدمہ نہ پہنچانا بہت آرام سے رکھنا

نہیں کرتا پسند اللہ سختی کرنے والوں کو
کہ جنّت کی بشارت ہے خدا سے ڈرنے والوں کو

کیا ہے فیصلہ جو کچھ اسے ملحوظ بھی رکھنا
انہیں آرام بھی دینا۔ انہیں محفوظ بھی رکھنا

غرض اس فیصلے پر شورت برخاست فرما دی
اسیروں کیلئے بخشش براہِ راست فرما دی

مسلمانوں نے کر لی باہمی تقسیم اسیروں کی
کہ ہو لطف و نرمی سے حفاظت سخت گیروں کی

خُدا والوں نے رکھا قول ہر دم یادِ ہادیؐ کا
کرو احساں اسیروں پر یہ تھا ارشاد ہادیؐ کا

سلہ اسیرانِ بدر میں جو بالکل نادار تھے اور فدیہ ادا کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے وہ حضور سرورِ کائنات کے ارشاد کے مطابق بطور احسان یونہی رہا کر دیئے گئے۔ (ابن ہشام و ابن سعد)

سلہ اسیرانِ جنگ دو دو چار چار صحابہ کو تقسیم کر دیئے گئے (سیرت النبی)

سلہ ارشاد ہوا کہ قیدی آرام کے ساتھ رکھے جائیں (سیرت النبی)

اسیروں کیلئے اس عہد کے عام قوانین

ہوئی تھی آج تک نرمی نہ یوں جنگی اسیروں پر
کہ فاتح اپنے مفتوحوں کو رکھ لیتے تھے تیروں پر

طریقہ تھا۔ کہ پہلے دست و بازو توڑ دیتے تھے
زمیں میں گاڑ کر پھر ان پہ کتّے چھوڑ دیتے تھے

کبھی زندوں کے تن سے بوٹیاں نچوائی جاتی تھیں
سلاخیں گرم کر کے جسم میں بڑھائی جاتی تھیں

کبھی پٹوایا جاتا تھا انہیں پُرخار کوڑوں سے
کبھی رُندوا دیا جاتا تھا اونٹوں اور گھوڑوں سے

اگر اعدا کو زندہ رکھنا بھی مطلوب ہوتا تھا
تو قید و بند کا اس وقت یہ اسلوب ہوتا تھا

اسیروں کو کسی اندھے کوئیں میں ڈال دیتے تھے
کوئیں کے منہ پہ سِل پتھر کی لا کر ڈھال دیتے تھے

کبھی سوکھا ہوا ٹکڑا[1] کبھی بدذائقہ پانی
کیا کرتے تھے فاتح اس طرح قیدی کی مہمانی

---

[1] سرگذشتِ اقوام اور تاریخ عالم کے مطالعے سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام سے پہلے قیدیانِ جنگ پر ہولناک سختیاں ہوتی تھیں۔ غلام بنا بنا کر بیچ دیئے جاتے تھے۔ کتوں سے نچوائے جاتے تھے۔ کنوؤں میں ڈالے جاتے تھے۔ آروں سے چروائے جاتے تھے۔ آنکھیں نکلوا دی جاتی تھیں۔ دست و بازو کٹوا دیئے جاتے تھے وغیرہ وغیرہ

عرب میں بھی یہی دستور تھا اسلام سے پہلے — اذیت ملتی تھی مغلوب کو ہر گام پہ پہلے

قریشی قوم میں بھی ایسے ہی قانون تھے جاری — کہ ان کی قید کے معنی تھے مرگ و ذلت و خواری

چنانچہ بدر کے قیدی جو آئے تھے مدینے میں — تو دم بھی ہول کے مارے سماتا تھا نہ سینے میں

سمجھتے تھے کہ اب یا موت یا ذلت یقینی ہے — خبر کیا تھی یہ شرع رحمۃ للعالمینی ہے

قیدیوں سے مسلمانوں کا سلوک

مسلمانوں نے ان کو بال بچوں کی طرح رکھا — قلوب سخت نے لطف و کرم کا ذائقہ چکھا

کلام سخت سن کر بھی نہ کچھ سختی سے کہتے تھے — انہیں روٹی کھلا دیتے تھے خود فاقے سے رہتے تھے[1]

تواضع اور نرمی دیکھ کر حیران تھے دشمن — کہ اس طرز سلوک عام سے انجان تھے دشمن

---

[1] صحابہ نے ان کے ساتھ برتاؤ کیا۔ کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے اور خود کھجوریں کھا کر گذارہ کرتے تھے۔ یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔

(سیرت النبی)

کھلیں آنکھیں نمونہ دیکھ کر خلقِ محمّد کا ۔۔۔ سمجھ میں کچھ نہ آتا تھا سبب الطاف بیحد کا

ندامت سے ہوئے مجبوب اُن کے کینہ ور سینے ۔۔۔ لگے کچھ صاف ہونے زنگ سے تاریک آئینے

بالآخر شہرِ مکّہ سے رقومِ خوں بہا آئیں ۔۔۔ تو اُن لوگوں نے قیدِ جنگ سے آزادیاں پائیں

اقارب جن کے بے پروا و بے درد و بخیل تھے ۔۔۔ ہوا فدیہ معاف ان کو کہ وہ نادار و مفلس تھے

عمِّ نبی حضرت عباسؓ اور فدیہ جنگ

بنی ہاشم میں دولتمند تھے عباسؓ اسیروں میں ۔۔۔ عرب میں تھا شمار ان کا بڑے بھاری امیروں میں

نبیؐ کو بھی اگرچہ رنج تھا آلام پر ان کے ۔۔۔ کہ مکّے میں بہت احسان تھے اسلام پر ان کے

مگر قائم تھے اپنے کفر کی رسمِ جہالت پر ۔۔۔ نہ لائے تھے ابھی ایمان خدا پر اور رسالت پر

---

۵۱ ابو عزیز نامی ایک اسیر بدر کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا۔ جب صبح یا شام کو کھانا لاتے روٹی میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں اُٹھا لیتے۔ مجھ کو شرم آتی اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دے دیتا۔ لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے مجھی کو واپس دے دیتے (طبری)

۵۲ بعض قیدی اس نیک سلوک کے اثر سے مسلمان ہوگئے تھے (اصابہ وغیرہ)

بوقتِ جنگ حملہ آوروں کے ساتھ آئے تھے
سرِ میداں مجاہد غازیوں کے ہاتھ آئے تھے

رسول اللہ سے انصار نے ان کی سفارش کی
انہیں فدیے سے مستثنےٰ کیا جائے گذارش کی

کہ عبدالمطلب کے خون کا ہم پاس رکھتے ہیں
قریبی رشتہ ہم سے حمزہ و عباس رکھتے ہیں

ہمارے انکے آپس میں تعلّق ہیں بہت گہرے
ہم ان سے فدیہ کیا لیں یہ ہمارے بھانجے ٹھہرے

نبی نے کر دیا انکار لیکن اسؐ رعایت سے
کہ شانِ عدل بالا تھی عزیزوں کی حمایت سے

حضرت عباس کا فدیہ دینے میں تامّل اور آنحضرتؐ کا معجزہ

بلایا آپ نے عباسؓ کو اپنی حضوری میں
کہا فدیہ ادا کرنا ہے ارکانِ ضروری میں

سلہ انصار نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ (حضرت) عباس ہمارے بھانجے ہیں۔ ہم ان کا فدیہ چھوڑتے ہیں۔ (سیرت النبی)

سلہ آنحضرت نے مساوات کی بنا پر حضرت عباسؓ کا فدیہ چھوڑا جانا گوارا نہیں فرمایا۔ (سیرت النبی)

عقیل[۱] و نوفل[۲] و عتبہ[۳] جنہیں تم ساتھ لائے تھے ۔۔۔ تمہارے ہی سبب سے جو کہ بہرِ جنگ آئے تھے

تمہیں واجب ہے ان تینوں[۴] کا فدیہ بھی ادا کرنا ۔۔۔ نہیں ممکن بغیر اس کے تمہارا اب رہا کرنا

لگے عباسؓ یہ سُن کر بڑی چون و چرا کرنے ۔۔۔ بہت سے دام و درہم ان کو پڑتے تھے ادا کرنے

بنی ہاشم میں سب سے مقدرت اور شان والے تھے ۔۔۔ اسی باعث یہ سب قیدی انہی کے سر پہ ڈالے تھے

کہا عباس نے میں آج کل معذور ہوں صاحب ۔۔۔ رقم اتنی کہاں سے لاؤں خود مجبور[۵] ہوں صاحب

بہانے سے کیا اظہارِ غربت یوں جو سر دُھن کر ۔۔۔ رسولُ اللہ کے لب پر تبسم آگیا سُن کر

کہا جب شرکتِ اعدا کی نیت کر کے آئے تھے ۔۔۔ تو ام الفضل سے تم کیا وصیت[۶] کر کے آئے تھے

---

۱ حضرت عقیل بن ابی طالب۔

۲ نوفل بن حارث بن عبدالمطلب۔

۳ عتبہ بن عمرو بن حجدم حضرت عباس کے حلیف

۴ بنی ہاشم میں سب سے زیادہ مالدار عباس بن عبدالمطلب تھے۔ انہیں آنحضرت نے حکم دیا کہ عقیل و نوفل و عتبہ کا فدیہ بھی وہی ادا کریں (خاتم المرسلین)

۵ جناب عباس نے کہا کہ میرے پاس اتنا روپیہ نہیں ہے۔

۶ آپ نے پوچھا اور وہ رقم کیا ہوئی جو آپ نے اپنی زوجہ ام الفضل کے پاس رکھوائی تھی۔ اور کہا تھا کہ اگر میں مارا جاؤں تو اس میں سے فضل کا اتنا عبداللہ کا اتنا اور عبیداللہ کا اتنا ہے (خاتم المرسلین)

تمہارے لفظ تھے عباس اگر مارا بھی جائے گا | تو یہ اتنا اثاثہ ہے تمہارے کام آئے گا
یہ حصّہ فضل کا ہے ۔ اور باقی مال جتنا ہے | عبیداللہ کا اتنا ہے عبداللہ کا اتنا ہے
وہ دولت سب ہے ام الفضل کی تحویل میں اب تک | یہ جرمانہ ادا کر دو چھپاؤ گے بھلا کب تک

حضرت عباسؓ کا ایمان لانا

مگر اظہارِ باطن تھا بیانِ ملہمِ صادقؐ | یہ تازہ معجزہ تھا بر زبانِ ملہمِ صادقؐ
جنابِ حضرتِ عباس پر رعشہ ہوا طاری | کہ پیغمبر تو رکھتا ہے دلوں کی بھی خبرداری
پکار اُٹھے بحالِ وجد میں ایمان لے آیا | بجا ہے راست ہے جو کچھ رسول اللہ نے فرمایا
یہ سچ ہے جب میں بہرِ جنگ نیت کر کے نکلا تھا | تو اتنے مال کی گھر میں وصیت کر کے نکلا تھا
میری زوجہ تھی یا میں تھا وہاں کوئی نہ تھا اسدم | تھے ہم دونوں ہمارے درمیاں کوئی نہ تھا اسدم

لے حضرت عباس کو حیرت ہوئی۔ بولے خدا کی قسم آپ پیغمبر ہیں۔ اس رقم کا حال میرے اور میری بیوی کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ میں تصدیق کرتا ہوں کہ واقعی آپ رسول اللہ ہیں اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔ (خاتم المرسلین)

محمد کا سخن اظہار ہے حق و عدالت کا
بدل اقرار کرتا ہوں میں توحید و رسالت کا

یہ کہہ کر جنگ کرنے کا ازالہ کر دیا سارا
اسیرانِ بنی ہاشم کا فدیہ بھر دیا سارا

حضرت ابو العاص کا فدیہ اور آنحضرت کی رقت

ابو العاص اک بہادر مردِ میدانِ بسالت تھے
خدیجہؓ کے بھتیجے اور دامادِ رسالت تھے

مگر بعثت سے پہلے اذن لے کر اپنے شوہر کا
خدیجہؓ نے کیا تھا عقد اُن سے ایک دختر کا

ابو العاص آج تک کافر ہی تھے ایماں نہ لائے تھے
شریکِ کفر ہو کر بدر میں لڑنے کو آئے تھے

یہ دختر حضرتِ زینب تھیں مکے ہی میں رہتی تھیں
نہایت صبر سے غم باپ کی فرقت کا سہتی تھیں

نتیجہ مل گیا باطل کو جب شمشیر گیری کا
ہوا غم باوفا بی بی کو شوہر کی اسیری کا[1]

---

[1] آنحضرت کے داماد ابو العاص بھی اسیرانِ جنگ میں آئے۔ ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی آنحضرت کی صاحبزادی حضرت زینب کے شوہر تھے وہ مکہ میں تھیں ان کو کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھجوا دیں حضرت زینب کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہ نے جہیز میں ان کو ایک بیش قیمت ہار دیا تھا حضرت زینب نے وہی ہار گلے سے اتار کر بھیج دیا (سیرت النبی)

ملا تھا قیمتی اک ہار اُن کو تحفۂ شادی — اسی کو بھیج کر چاہی گئی شوہر کی آزادی

نظر آیا جونہی یہ ہار[1] دل حضرت کا بھر آیا — سمٹ کر ابرِ گوہر بار پلکوں پر اُتر آیا

خدیجہؓ طاہرہ کا ہار مرحومہ رفیقہ کا — رسالت کی انیسہ اور اُمت کی شفیقہ کا

خدیجہؓ طاہرہ اس قلب میں آباد تھی اب تک — محبت اور نیکی اور خدمت یاد تھی اب تک

کہا[2] بیٹی نے ماں کی یادگار ارسال کر دی ہے — یہ دولت بہرِ شوہر آج استعمال کر دی ہے

مناسب ہو تو لوٹا دو یہ پیاری یادگار اس کو — کہ پھر یادِ مادر بس غنیمت ہے یہ ہار اس کو

کیا اظہارِ شانِ دردمندی دردمندوں نے — رہا فرما دیا بوالعاص کو اللہ کے بندوں نے

مدینے میں بلا لینا جو تھا درکار زینب کا — اُنہیں رخصت کیا عزت سے دے کر ہار[3] زینب کا

یہ رشتہ توڑ دینا مرضیِ ہادیِ دوراں تھی — ابھی بوالعاص تھے کافر۔ مگر زینب مسلماں تھی

یہ شادی ہو چکی تھی پیشتر تنزیلِ قرآں سے — نہ ہوتا عقد ورنہ مسلمہ کا نا مسلماں سے

---

[1] یہ ہار آنحضرت نے دیکھا تو ۲۵ برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آ گیا آپ بے اختیار رو پڑے (سیرت النبی)

[2] صحابہ سے فرمایا۔ تمہاری مرضی ہو تو بیٹی کو ماں کی یادگار واپس کر دو (سیرت النبی)

[3] سب نے تسلیم کی گردنیں جھکا دیں اور وہ ہار واپس کر دیا (سیرت النبی)

لیا زینب کے حق میں پیکرِ اخلاص نے وعدہ | تو ان کو بھیج دینے کا کیا بوالعاص نے وعدہ[1]
دلائی مسلمہ کو مخلصی یُوں شانِ داور نے | یہ وعدہ جا کے پُورا کر دیا مردِ دلاور نے[2]
مسلماں ہو گئے بوالعاص بھی بعد ایک مدت کے | خدا کی راہ پر لائے انہیں احساں نبوت کے[3]

[1] ابو العاص کو آزادی دی گئی۔ جو اپنی مومنہ بیوی اور عفت مآب پیمبر زادی کا وہ ہار لے کر مکے کو روانہ ہو گئے۔ مگر جاتے وقت آنحضرت سے وعدہ کرتے گئے کہ مکے پہنچتے ہی حضرت زینب کو مدینے میں بھیجدیں گے۔ (خاتم المرسلین)

[2] ابو العاص نے اقرار کے مطابق گھر پہنچتے ہی حضرت زینبؓ کو مدینے جانے کی اجازت دے دی۔ زید بن حارث لینے کو آ گئے تو ابو العاص کے بھائی کنانہ بن ربیع نے حضرت زینب کو اونٹنی پر بٹھا کر اپنی کمان شانے پر ڈالی اور مکے سے نکلے۔ قریش کو خبر ہو گئی۔ تعاقب کیا۔ اور مقام ذی طوی پر گھیر لیا۔ کنانہ نے تیر کمان سے جوڑا۔ اور چلائے کہ جس کسی نے پاس آنے کا ارادہ کیا۔ اس کی زندگی کی خیر نہیں مگر دشمنوں کے خوف سے حضرت زینب سہم گئیں۔ حاملہ تھیں اسقاط حمل ہو گیا۔ ابو سفیان بن حرب نے کنانہ سے کہا۔ ہمیں اس عورت کے روکنے سے کچھ حاصل نہیں۔ مگر یہ تمہاری غلطی ہے کہ دن دہاڑے علانیہ لے چلے۔ اگر ہم یوں نکل جانے دیں تو لوگ کہیں گے کہ اہلِ مکہ شکست کھا کر اس قدر ذلیل و ضعیف ہو گئے ہیں کہ محمد کی بیٹی ان کے سامنے دوپہر کو مدینے چلی گئی۔ اور کسی کو روکنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کنانہ اس وقت واپس لوٹ آئے۔ اور رات کے وقت حضرت زید بن حارث کے ساتھ پیمبر زادی کو مدینے کی طرف روانہ کر دیا۔ (خاتم المرسلین صفحہ ۲۲۴)

[3] ابو العاص بہت بڑے تاجر تھے۔ چند سال کے بعد بڑے سامان سے شام کی تجارت کو نکلے (بقیہ حاشیہ برصفحہ ۱۹۲)

(بقیہ حاشیہ برصفحہ ۱۹۲)

مدینے میں مسلمانوں کی مشکلات

منافقین کا گروہ

اُدھر مکّے سے پھر اُٹھنے کو تھا طوفان کینے کا
اِدھر اک اور جھگڑا تھا مدینے میں مدینے کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۱) واپسی میں مسلمان دستوں نے ان کو مع مال و اسباب گرفتار کر لیا۔ اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہو گیا۔ ابو العاص چھپ کر مدینے میں حضرت زینب کے پاس پہنچے۔ انہوں نے پناہ دے دی۔ آنحضرت مسجد میں صبح کی نماز پڑھا رہے تھے کہ حضرت زینب نے پردے کے پیچھے سے پکار کر کہا۔ کہ لوگو ابو العاص آئے ہیں میں نے ان کو پناہ دے دی ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ نے فرمایا۔ خدا کی قسم مجھے اس کی خبر نہیں ہے۔ اگرچہ ہر شخص اپنے قریبی کو پناہ دینے کا مجاز ہے۔ مگر اے زینب یاد رکھو۔ اب تم ابو العاص پر حلال نہیں ہو۔ پھر آپ سریہ والوں کی طرف مخاطب ہوئے۔ جنہوں نے ابو العاص کے قافلے کو لوٹا تھا اور فرمایا جو تم نے لوٹا ہے واپس کر دو تو میرے نزدیک مناسب ہے۔ لیکن اس میں کوئی جبر نہیں ہے۔ کیونکہ یہ مال غنیمت ہے اور تمہارا حق ہے۔ ان لوگوں نے خوشی خوشی سارا مال واپس کر دیا۔ ابو العاص بغیر کسی نقصان کے مکے کو چلے گئے۔ مگر آنحضرت اور مسلمانوں کے لطف و کرم نے دل کی تاریکیاں دور کر دی تھیں مکے میں جو جو چیز جس کسی کی تھی اسکو ادا کر دی۔ اور سب کی امانتیں واپس دے کر کہا اشھد ان لا الٰہ الا اللہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ خدا کی قسم مدینے میں میں نے جو اسلام قبول نہیں کیا تو فقط اس خیال سے کہ تم کہو گے کہ ہمارا مال کھا جانے کی نیت سے مسلمان ہو گیا۔ اب تمہاری امانتیں تمہارے سپرد ہیں اور میں علانیہ مسلمان ہوتا ہوں۔ یہ فرما کر مدینے کی راہ لی۔ (سیرت النبی)

یہاں ابنِ اُبَیّ اک دشمنِ باری تعالیٰ تھا / شبِ تاریک کی مانند اُس کا قلب کالا تھا

ہمیشہ باعثِ تکلیف تھا بغض و عناد اس کا / بیاں ہم کر چکے ہیں جلد اول میں فساد[۵۱] اس کا

یہاں[۵۲] ایسے بھی تھے جو آج تک ایماں نہ لائے تھے / ابھی اسلام کے آغوشِ راحت میں نہ آئے تھے

---

۵۱ شاہنامہ اسلام جلد اول صفحہ ۲۵۰ پر ہم عبداللہ بن اُبَیّ کے قلب کی حالت چند اشعار میں بیان کر چکے ہیں۔ یہ شخص قبیلہ خزرج کا رئیس تھا۔ اور مدینے میں آنحضرت کی تشریف آوری سے پہلے مدینے کی ریاست عامہ کا مدعی تھا۔ آنحضرت تشریف لے آئے تو اس کی امیدوں پر اوس پڑ گئی۔ یہ کینہ اسکے سینے میں پنہاں تھا۔ قریش نے سب سے پہلے اسی کے نام خط لکھا تھا جس کی عبارت یہ تھی۔

انکم آویتم صاحبنا انا نقسم باللہ لتقاتلنہ او تخرجنہ او لنسیرن الیکم باجمعنا حتی نقتل مقاتلتکم ونستبیح نساءکم (سنن ابو داود صفحہ ۶۷ جلد ۲)

تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہاں پناہ دی ہے ہم خدا کی قسم کھاتے ہیں کہ یا تو تم لوگ اُن کو قتل کر ڈالو یا مدینہ سے نکال دو۔ ورنہ ہم سب جمع ہو کر تم پر حملہ کرینگے اور تمکو فنا کر کے تمہاری عورتوں پر تصرف کرینگے۔

اس نامے کی تعمیل میں ابنِ اُبَیّ نے اپنے ساتھیوں کو جمع کیا اور شورش کرنی چاہی۔ آنحضرت صلعم بنفسِ نفیس ان کے مجمع میں تشریف لے گئے۔ اور ان کو سمجھایا اور فرمایا کہ تم کو خود اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے لڑنا پڑے گا کیونکہ وہ سب مسلمان ہو چکے ہیں۔ اس پر اُسکے ساتھی دب گئے تھے۔

۵۲ ابھی تک اوس و خزرج کے بہت سے لوگ شرک پر قائم تھے۔ بدر کی فتح سے ان لوگوں میں حرکت پیدا ہوئی۔ اور وہ آنحضرت کی عظیم الشان اور غیر متوقع فتح کو دیکھ کر اسلام کی حقانیت کے قائل ہوئے اور اس کے بعد مدینہ سے بت پرست عنصر بڑی سرعت کے ساتھ کم ہوتا گیا۔

رسول اللہ کی تبلیغ ان لوگوں میں جاری تھی — کہ منظور آپ کو ہر دشتِ دل کی آبیاری تھی

ہوئی جب فتح جنگ بدر میں ایمان والوں کی — بڑھا دی شان حق نے اور بھی ان شان والوں کی

تو اب انصار کے وہ بھائی بھی ایمان لے آئے — جو راہِ حق سے اب تک دور ہی پھرتے تھے کترائے

ہوا ابنِ اُبی پر رعب طاری ڈر گیا دل میں — کہ اب اتنی بڑی تعداد تھی مدِ مقابل میں

سوا ایمان لانے کے نہ جب چارا کوئی پایا — ہوا مسجد میں حاضر مکر سے ایمان[1] لے آیا

اگرچہ اوّل اوّل خوب پر پرزے نکالے بھی — ہوئے آخر مسلماں یہ بھی اسکے ساتھ والے[2] بھی

شرارت پر مگر نیت تھی ہر دم چست و چاق ان کی — مسلماں ہو گئے قائم رہی خوئے نفاق ان کی

خلافِ اہلِ ایماں سازشیں کرتے ہی رہتے تھے — اِدھر کچھ اور بکتے تھے اُدھر کچھ اور کہتے تھے

سمجھتے تھے انہیں اچھی طرح سے ہادیٔ اکرم — نظر رکھتے تھے انکے حال اور کردار پر ہر دم

---

۱ ابن اُبی اب تک علانیہ کافر تھا۔ مگر اب وہ بظاہر اسلام کے دائرے میں آگیا۔ گو تمام عمر منافق رہا اور اسی حالت میں جان دی۔ (سیرت النبی صفحہ ۳۳۶)

۲ بعض ایسے بھی تھے جن کے دلوں میں اسلام کی اس فتح نے بغض وحسد کی چنگاری روشن کر دی۔ انہوں نے برملا مخالفت کو خلافِ مصلحت گردانا۔ بظاہر تو اسلام قبول کر لیا۔ لیکن اندر ہی اندر اسکے استیصال کے درپے ہو کر منافقین کے گروہ میں شامل ہو گئے۔ (خاتم النبیین)

مدینے کے یہود

مدینے کے یہود ان سب سے بڑھکر تھے شرارت میں
انہیں تھا زعم ہم ممتاز ہیں علم و امارت میں

مگر اسلام نے کایا پلٹ دی زیر دستوں کی
رسول اللہ نے عزت بڑھا دی حق پرستوں کی

وہی انصار جو ہر بات میں محتاج تھے ان کے
وہ اب علم و عمل میں ہر طرح سرتاج تھے ان کے

۱۔ یہود مدینہ کے تین قبیلے تھے قینقاع، نضیر، قریظہ۔ یہ یثرب کے اطراف اور حوالی میں آباد تھے۔ عموماً زمیندار دولت مند، تجارت پیشہ اور صناع تھے۔ انکے پاس اسلحہ جنگ کے ذخیرے مہیا رہتے تھے۔

۲۔ ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ ان لوگوں کا مذہبی اور علمی اثر بھی تھا۔ انصار عموماً بت پرست اور جاہل تھے۔ اس بنا پر وہ یہود کو عزت کی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ اور انکو اپنے سے زیادہ مہذب اور شائستہ سمجھتے تھے (سیرت النبی)

۳۔ اسلام مدینے میں آیا تو یہودیوں کے مذہبی وقار کو جو ان کو مدتوں سے حاصل تھا اور ان میں جو اخلاقی بدعموماً پھیلے ہوئے تھے اور جن پر دولت مندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا۔ اب ان کا راز فاش ہونے لگا۔ (سیرت النبی)

۴۔ یہودیوں نے مدینے میں ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا۔ اور تمام آبادی انکے قرضوں میں زیر بار تھی۔ اور چونکہ تنہا وہی صاحب دولت تھے۔ اس لئے نہایت بے رحمی سے سود کی گرانبار شرحیں مقرر کرتے تھے۔ اور قرضہ کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے یہاں تک کہ مستورات کو بھی رہن رکھ لیتے تھے۔ (سیرت النبی)

اخوت نے محبت اوس و خزرج میں بڑھا دی تھی
اب ان میں باہمی امداد تھی خود اعتمادی تھی

یہود اسلام سے پہلے اٹھاتے تھے مفاد ان سے
یہ صورت دیکھ کر رکھنے لگے دل میں عناد ان سے

مجاہد بدر میں جب کھیلتے تھے جان کی بازی
یہ کرتے تھے مدینے میں شرارت فتنہ اندازی

مگر جب فتح پائی جنگ میں ایمان والوں نے
یہودی قوم کی گردن جھکا دی شان والوں نے

رسول اللہ سے اب بڑھ گیا بغض و حسد ان کا
بدی پر مستعد تھے آچکا تھا روز بد ان کا

علانیہ لگے توہین کرنے اہلِ ایماں کی
کوئی پروا نہ رکھی باہمی عہد[۱] اور پیماں کی

سر بازار یہ اسلام کی توہین کرتے تھے
کسی کا پاسِ عزت تھا نہ یہ اللہ سے ڈرتے تھے

ستاتے تھے مسلمانوں کو یہ اللہ کے دشمن
عدوئے دینِ حق تھے اور نبی کی جان[۲] کے دشمن

ف۱ آنحضرت نے مدینے میں آتے ہی قبائل یہود کے ساتھ امن و امان کے معاہدے کر لئے اور آپس میں صلح اور امن کے ساتھ رہنے کی بنیاد ڈالی۔ معاہدہ کی رو سے فریقین اس بات کے ذمہ دار تھے کہ مدینہ میں امن و امان قائم رکھیں۔ علاوہ ازیں اگر کوئی غنیم مدینہ پر حملہ آور ہو تو سب مل کر اس کا مقابلہ کریں۔ (ابن ہشام و طبری حالات یہود)

ف۲ اب انہوں نے طرح طرح سے آنحضرت کو اذیتیں دیں۔ اور اسلام کے خلاف کوششیں کرنی شروع کیں (سیرت النبی) انہوں نے آنحضرت کے قتل کے بھی منصوبے شروع کر دیئے۔ (خاتم النبیین)

ایک لڑکی سے اوباشانہ مذاق

سرِ بازار اک دن ہو گئی ہنگامہ آرائی — کوئی دیہات کی لڑکی تھی سبزی بیچنے آئی

یہودی بدمعاشوں نے اسے چھیڑا شرارت سے — زبانِ فحش سے ہاتھوں کی رندانہ اشارت سے

بچاری سٹ پٹا کر دوسری جانب لگی چلنے — تو اُس کو کر دیا بے ستر[۱] اک نامرد جاہل نے

لگے ٹھٹھا اڑانے بے حیا اس پاک دامن کا — کہ اس بازار میں کوئی نہ تھا اس پاک دامن کا

نہ حفظِ آبرو کی جب کوئی صورت دکھائی دی — تو اس مظلوم لڑکی نے محمدؐ کی دہائی دی[۲]

۱؎ سیرت ابن ہشام میں یہ واقعہ مفصل بیان ہے کہ ایک دیہاتی عورت یہودیوں کے بازار میں کچھ سودا بیچنے گئی۔ بنی قینقاع کے ایک زرگر یہودی کی دکان کے سامنے بیٹھی تھی کہ بعض اوباش یہودیوں نے اسے مذاق کرنا شروع کیا۔ اُس کا منہ کھلوا کر دیکھنا چاہا۔ دکاندار زرگر نے یہ حرکت کی۔ کہ بے خبری کی حالت میں اس عورت کے لباسِ زیرین کو ایک کانٹے سے اسکی پشت کے کسی کپڑے سے ٹانک دیا۔ جب وہ پاکدامن یہودیوں کے مذاق سے لجا کر دوسری جانب چلنے لگی۔ تو کپڑے کے اس طرح ٹانکے جانے کی وجہ سے ننگی ہو گئی جس سے سب یہودی قہقہے لگانے لگے

۲؎ بے آبروئی دیکھ کر لڑکی نے چیخ ماری اور مدد کے لئے پکاری۔

(سیرت ابن ہشام)

پکاری کیا نہیں غیرت کسی انساں کے سینے میں — کہ یوں بے آبرو ہوں میں محمدؐ کے مدینے میں!

ایک مسلمان کا پاسِ غیرت

یہ فقرہ کہہ اٹھی جونہی زباں بے اختیار اس کی — سنی اک راہ چلتے مردِ مسلم نے پکار اس کی[۱]

وہ دوڑا۔ بدمعاشوں میں کھڑے دیکھا نحیفہ کو — عبا اپنی اتاری اور اڑھا دی اس عفیفہ کو

نظر آیا جو اسلامی حمیت کا یہ نظارا — تو ان بازاریوں نے اور بھی اک قہقہہ مارا

کوئی بولا یہ سبزی بیچنے والی کا شوہر ہے — کوئی بولا نہیں یہ باپ ہے وہ اس کی دختر ہے

مسلماں نے کہا اچھی نہیں اتنی بھی بے دردی — ستانا عورتوں کو یہ بھی ہے کوئی جوانمردی!

پرائی بیبیاں لاریب ساری مائیں بہنیں ہیں — ہماری بیٹیاں ہیں سب ہماری مائیں بہنیں ہیں

ہمارا دین ان کی عزت و حرمت سکھاتا ہے — بڑا نامرد ہے جو ایک عورت کو ستاتا ہے

یہودی سخت گالی دے کے بولے تو نہ بک اتنا — تجھے بھی دیکھ لیتے ہیں ابھی تو مرد ہے کتنا

۱؎ اتفاق سے ایک مسلمان رہرو نے اسکی پکار سنی اور دوڑ کر اس جگہ آ پہنچا۔ (سیرت ابن ہشام)

بڑا آیا ہے وہ بن کر چلا جا۔ راہ سے گھر کی
اگر کچھ اور بک بک کی تو خیریت نہیں سر کی

لے۔ لے۔ ہم تری مردانگی بھی آزماتے ہیں
نہیں پہلے سنایا تھا تو اب اس کو سناتے ہیں

مسلماں نے متانت سے کہا اے قومِ بد اختر
ہے اس عورت کی عزت اب تو مجھ کو جان سے بڑھ کر

یہ کہہ کر کھینچ لی تلوار عورت کے بچانے کو
یہودی آپڑے تنہا پہ جرأت آزمانے کو

حمایت کرنے والے مسلمان کی شہادت

اِدھر سی بیسیوں تیغوں کے چرکے تھی کچوکے تھے
اُدھر اک مرد نے رستے سر بازار روکے تھے

کہا لڑکی سے اب رستہ کھلا ہے بھاگ جا جلدی
بچا کر آبرو لڑکی دعا دیتی ہوئی چل دی

پکڑنا اس کو چاہا پھر لپک کر اک رذالے نے
مگر اس کا صفایا کر دیا اللہ والے نے

گری بازار میں بے جان ہو کر لاش بے سر کی
وہ لڑکی لے چکی تھی راہ اتنی دیر میں گھر کی

یہودی جمع ہو کر آپڑے تھے سادلاور پہ
گریں چوبیس تیغیں بحرِ جرأت کے شناور پہ

گھرا تھا مردِ مومن مجمعِ اشرار کے اندر
شہادت پائی غیرتمند نے بازار کے اندر

یہودیوں کو آنحضرت کی فہمائش

مثالِ رعد گونجی یہ خبر ہر سو مدینے میں
لگی غیرت کی بجلی کوندنے مسلم کے سینے میں[1]

رسولِ پاک نے خود جا کے ان لوگوں کو سمجھایا
خدا کے قہر سے اِن کو ڈرایا اور فرمایا

کہ اے اہلِ کتاب اللہ کے احکام کو مانو
بنی آدم کا حق اپنی شریعت ہی سے پہچانو

گذارو زندگی امن و اماں صلح و صفائی سے
تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں حاصل برائی سے

مبادا تم پہ نازل ہو عذابِ دردناک آخر
ہوئیں اقوام اس جور و تعدّی سے ہلاک آخر[2]

یہودیوں کا گستاخانہ جواب

یہودی گفتگوئے نرم سے کچھ اور بھی چمکے
اٹھے گستاخ ہو کر روبرو سردارِ عالم کے

۱؎ مدینے کے بازار میں یہودیوں نے ایک انصاری عورت کی بےحرمتی کی۔ ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بیتاب ہو گیا۔ اس نے ایک یہودی کو مار ڈالا۔ یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا (سیرت النبی صفحہ ۳۴۱)

۲؎ آنحضرت کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اور فرمایا کہ خدا سے ڈرو ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والوں کی طرح عذاب آئے۔ (سیرت النبی)

کہا اس فتحِ ہنگامی پہ آپ اتنا نہ اترائیں
ہمیں اپنے خُدا کے نام سے ہرگز نہ دھمکائیں

نہیں ہیں ہم قریشی فوج کی مانند کم ہمت
کہ ڈر جائیں مسلمانوں کی صُورت دیکھ کر حضرت

کبھی جنگ آ پڑی ہم سے تو ہم اس دن دکھا دینگے
مسلمانوں کا نام اس لوحِ ہستی سے مٹا دیں گے

لڑے ہیں آپ جا کر بدر میں آوارہ گردوں سے
نہیں پالا پڑا اب تک یہودی شیر مردوں سے[۱]

یہود آمادۂ پیکار تھے ہر وقت ہر ساعت
مگر ان کو اماں دیتا تھا اب تک دامنِ رحمت[۲]

نظر آیا کہ حد سے بڑھ چکا ہے جوشِ خود رائی
تو محبوبِ خدا نے گوشمالی ان کی فرمائی

---

۱ یہودی بولے ہم قریش نہیں ہیں۔ ہم سے معاملہ پڑے گا تو ہم دکھا دیں گے کہ لڑائی اس کا نام ہے۔ (سیرت النبی)

۲ دیکھو ابن سعد ذکر قینقاع
واقعہ بدر میں یہودیوں نے شورش اور حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑ دیا۔
(مسلمان عورت کی بے حرمتی کے واقعہ کے بعد بنی قینقاع جنگ کا اعلان کر کے قلعہ بند ہو گئے۔ آنحضرت نے ان کا محاصرہ کیا۔ عبداللہ ابن اُبی منافق ان کا حلیف تھا۔ اس نے آنحضرت سے درخواست کی کہ ان کو اور کچھ نہ کہا جائے۔ صرف جلا وطن کر دیا جائے چنانچہ یہودیوں کا یہ قبیلہ شام کی طرف جلا وطن کر دیا گیا۔ یہ شوال سنہ ۲ھ کا واقعہ ہے۔

(سیرت النبی صفحہ ۳۷۱)

ایک شاعر کعب بن اشرف کی شرارتیں

یہاں پر کعب بن اشرف بھی اک ناپاک شاعر تھا
یہودی۔ اور دولتمند اور ناپاک شاعر تھا

اُسے بھی ہادیٔ اسلام سے پوری عداوت تھی
کہ پیشہ سود خواری تھا طبیعت میں شقاوت تھی

خبر قرشی ہزیمت کی ہوئی جب گوش زد اس کے
کئے بغض و حسد نے مشتعل جذبات بد اس کے

برائے تعزیت مکے میں پہنچا مرثیہ کہہ کر
"مجھے بھی موت آجائے یہی کہتا تھا رہ رہ کر

لگی ہیں اور بھی جا کر لگا دی آگ شاعر نے
کچھ ایسی دھن سے مقتولوں کا گایا راگ شاعر نے

قبائل کو مسلمانوں سے لڑمرنے پہ اُکسایا
"تمہارے دین کے دشمن ہیں" یہ کہہ کہہ کے بھڑکایا

---

۱ کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا۔ دولتمندی کی وجہ سے یہودیانِ عرب کا رئیس بن گیا اسکو اسلام سے سخت عداوت تھی۔ بدر کی لڑائی میں سردارانِ قریش مارے گئے۔ تو اس کو نہایت صدمہ ہوا۔ تعزیت کے لئے مکے گیا۔ کشتگانِ بدر کے پر درد مرثیے جن میں انتقام کی ترغیب تھی۔ لوگوں کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا اور رو تا اور رلاتا تھا۔ (سیرت النبی)

۲ اُس نے مکہ والوں کو خانۂ کعبہ کے صحن میں لے جا کر (تین سو ساٹھ بتوں کے روبرو) کعبہ کے پردے ان کے ہاتھ میں دے کر قسمیں لیں۔ کہ جب تک اسلام اور بانیٔ اسلام کو صفحۂ دنیا سے مٹ (باقی بر صفحہ ۲۰۳)

غلاظت کی طرح کینہ بھرا تھا اسکے سینے میں
نجاست اپنی پھیلا کر پلٹ آیا مدینے میں

رسول اللہ کی ہجو میں کہیں کمزور فطرت نے
خریدی روسیاہی اس طرح اِس کو رفطرت نے[1]

تھی آمادہ یہودی قوم پہلے ہی لڑائی پر
اُتر آیا اُدھر سے کعب اپنی بے حیائی پر

کہ اکثر عورتوں کے نام لے لے کر قصائد میں[2]
یہ کرتا تھا اضافہ شعر کے حشو و زوائد میں

مسلمانوں کو اس کی بد کلامی سے اذیت تھی
یہی تو اس کا مقصد تھا یہی تو اس کی نیت تھی

یہ حالت تھی مگر اللہ کے بندے صبر کرتے تھے
یہی ارشادِ ہادی تھا۔ دلوں پہ جبر کرتے تھے

(بقیہ صفحہ ۲۰۲) نہ دیں گے اس وقت تک چین نہ لیں گے۔ کہتے ہیں یہ آتش فشاں فتنا پیدا کر کے اس بدبخت نے دوسرے قبائلِ عرب کا رخ کیا اور قوم بقوم پھر کر مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا۔
(خاتم النبیین بحوالہ فتح الباری جلد ۷ صفحہ ۲۵۹ و زرقانی جلد ۲ صفحہ ۹)

[1] مدینے میں واپس آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہنا اور لوگوں کو آنحضرت کے خلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ (سیرت النبی صفحہ ۳۷۳)

[2] اس نے مسلمان خواتین پر تشبیب کہی یعنی اپنے اشعار میں اوباشانہ طریق پر مسلمان خواتین کا ذکر کیا اور بالآخر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دھوکے سے قتل کر ڈالنے کی ناکام سازش کی۔

(دیکھو بخاری، زرقانی، ابن ہشام، ابن سعد، خمیس، ابو داود، طبری وغیرہ)

مگر اک روز آخر ہوگیا لبریز پیمانہ | بھڑک اُٹھے مسلمانوں کے جذبات شریفانہ
زبانِ تیغ تھی اس بدزبانی کا جواب آخر | اُٹھے دو چار غیرت مند بہرِ سدِّ باب آخر[1]
ہو جس سینے میں ایسا بغض پھٹ جائے تو بہتر ہے | زبانِ شاعرِ بدکار کٹ جائے تو بہتر ہے

یہ فتنہ دیکھتی غیرت بھلا تا چند شاعر کا
کیا اک روز دستِ تیغ نے منہ بند شاعر کا

---

[1] ایک انصاری مسلمان محمد بن مسلمہ، سعد بن معاذ کے مشورہ سے ابونائلہ اور دو تین اور مسلمانوں کو ساتھ لے کر رات کے وقت اس کے مکان پر گئے اور باہر بلاکر اُسے کیفر کردار تک پہنچا دیا۔
(دیکھو بخاری باب قتل کعب بن اشرف)

حضرت سیدۃ النساء فاطمۃ الزہرا کی شادی

مبارک ہے وہ دن لاریب رجب کے مہینے میں
نکاح حضرت زہرا ہوا جس دن مدینے میں

وہ زہرا ہاں وہی زہرا رسول اللہ کی بیٹی
وہی زہرا شہنشاہ ہوں کے شاہنشاہ کی بیٹی

وہ کملی اوڑھنے والے مجسم نور کی دختر
وہ عبداللہ کی پوتی آمنہ کے پور کی دختر

وہ خواہر ام کلثوم و رقیہ اور زینب کی
وہ سب بہنوں سے چھوٹی اس لئے نور نظر سب کی

وہ قاسم کی بہن وہ طیب و طاہر کی ماں جائی
جو ماں کی گود میں اتمام نعمت کی طرح آئی

۱ـ حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا نکاح ۲ھ میں رجب کے مہینے میں ہوا تھا۔ مگر رخصتی پانچ مہینے بعد عمل میں آئی۔ (ابن خلدون جلد ثانی)

۲ـ آنحضرت کی دختران بلند اختر میں حضرت زہراؓ عمر میں سب سے چھوٹی تھیں۔ حضرت زینب حضرت ابوالعاص سے بیاہی گئی تھیں۔ حضرت رقیہؓ حضرت عثمان غنیؓ سے اور حضرت کی وفات کے بعد حضرت ام کلثوم بھی حضرت عثمانؓ کے عقد میں دی گئی تھیں۔

۳ـ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بطن مبارک سے آنحضرت کی اولادوں میں حضرت زہراؓ سب سے آخر میں پیدا ہوئی تھیں (اصابہ)

وہی آئینۂ عفت کا سب سے خوشنما جوہر
خدیجہ طاہرہ کے بطن کا اک بے بہا گوہر

وہ صبحِ نورِ چشمِ رحمۃ للعلمین زہراؓ[1]
نگینِ خاتمِ تسکینِ ختم المرسلینؐ زہراؓ

وہ زہرا جو شبیہ[2] اسوۂ سرکارِ عالی تھی
علیؓ سے آج اسی زہراؓ کی شادی ہونے والی تھی

مسجد میں اجتماعِ[3] صحابہ اور نکاح

مہاجر اور انصار اکابر جمع تھے سارے
اُتر آئے تھے گویا دن کو اس تقریب میں تارے

علیؓ با عزّ و شانِ ہاشمی تھا انکے جھرمٹ میں
وہ ماہِ آسمانِ ہاشمی تھا ان کے جھرمٹ میں

نہ کوئی باجا گاجا تھا نہ کوئی شور و ہنگامہ
نہ شہنائی نہ نقارہ نہ دف تھی اور نہ دمامہ

نہ رنگا رنگ پوشاکیں نہ کنگن تھا نہ سہرا تھا
وہی تھے شاہِ مرداں اور وہی مردانہ چہرا تھا

رسول اللہ خود موجود تھے محرابِ مسجد میں
کمی کرتا کوئی پھر کس طرح آدابِ مسجد میں

---

۱ آنحضرت حضرت فاطمہ کو سب بچیوں سے عزیز رکھتے تھے۔ (ترمذی)

۲ حضرت زہرا خصائل میں آنحضرت سے مشابہ تھیں۔ (رحمۃ للعلمین جلد دوم)

۳ آنحضرت نے مہاجرین و انصار میں سے چیدہ چیدہ اصحاب کو مسجد میں جمع فرما کر حضرت علی اور حضرت فاطمہ کا نکاح پڑھا (ابن سعد)

رخِ شمس الضحیٰ کی ضو سے پُر تنویر تھی مسجد
سکون و سادگی کی خوشنما تصویر تھی مسجد

زمیں سے آسماں تک بس گئے نغماتِ روحانی
کہ خود قرآنِ ناطق نے پڑھیں آیاتِ قرآنی

ہوا یہ عقدِ عالی شان معمولی طریقے سے
ہوئے تقسیم خرمے غیر معمولی سلیقے سے

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی رخصت

دوم تھا سالِ ہجری اور ذالحج کا مہینہ تھا
پیمبر بعدِ جنگِ بدر جاں بخشِ مدینہ تھا

ارادہ آپ نے اب رخصتِ زہراؓ کا فرمایا[2]
محبت سے جنابِ مرتضیٰؓ کو پاس بلوایا

بہت احساس تھا حیدر کی ناداری کا ہادیؐ کو
کہا کچھ ہے تمہارے پاس اخراجاتِ شادی کو؟

کہا یہ ایک مضمونِ ادق ہے یا رسول اللہ
فقط نامِ رسولؐ و نامِ حق ہے یا رسول اللہ

سلہ نکاح پانچ ماہ پہلے پڑھ دیا گیا تھا۔ اب جنگِ بدر کے بعد ذوالحجہ ۲ھ میں حضرت زہرا کی رخصت رخصت کرنے کا سامان کیا گیا۔ (طبری)

سلہ اس وقت زہرا کی عمر بقول علامہ شبلی مرحوم ۱۸ سال کی تھی۔

سلہ آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمہارے پاس مہر میں دینے کیلئے کیا ہے۔

سلہ حضرت علی نے جواب دیا میرے پاس تو کچھ نہیں۔ (ابوداؤد)

کہا پھر وہ زرہ کیا ہو گئی جو تم نے پائی تھی[1] — جو روزِ بدر میداں میں تمہارے ہاتھ آئی تھی؟

کہا موجود ہے، حضرت نے فرمایا وہ کافی ہے — تم اس کو بیچ ڈالو، جو بھی ہاتھ آیا وہ کافی ہے[2]

زرہ بیچی علیؓ نے چار سو اسّی درا ہم میں[3] — (بقولِ شبلیؒ مرحوم اس سے بھی بہت کم میں[4])

تھی شادی فاطمہؓ کی سادگی کا طرفہ نظّارا — ولیمہ بھی اسی میں اور اسی میں مہر بھی سارا

حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا جہیز

جہیز اِن کو ملا جو کچھ شہنشاہِ دو عالم سے — ملا ہے درس ہم کو سادگی کا فخرِ آدم[5] سے

۱؎ آپ نے فرمایا پھر وہ زرہ حطبیہ کیا ہوئی جو جنگِ بدر میں بطور غنیمت تمہارے ہاتھ آئی تھی۔ (اصابہ)

۲؎ آپ نے فرمایا زرہ لے آؤ۔ چنانچہ زرہ بیچی گئی۔

۳؎ کل چار سو اسّی درہم ہاتھ آئے۔ اسی میں شادی کے اخراجات مہیا کئے گئے (النسائی)

۴؎ ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی جہیز ہوگی، لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہیں تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا روپیہ (عہ) (سیرت النبی علامہ شبلی صفحہ ۱،۲۳۳)

۵؎ آنحضرتؐ نے فاطمۃ الزہراؓ کو حسب ذیل جہیز دیا تھا۔ بان کی ایک چارپائی، دو چکیاں، مٹی کے دو گھڑے، چمڑے کا ایک گدا جس میں روئی کی جگہ کھجور کے پتّے بھرے ہوئے تھے۔ ایک چھاگل، ایک مشک، اور ایک یمنی چادر۔ (سیرت النبی، النسائی، اصابہ وغیرہ)

متاعِ دنیوی جو حصۂ زہرا میں آئی تھی
کھجوری کھرّ درے سی بان کی اک چارپائی تھی

مشقت عمر بھر کرنا جو لکھا تھا مقدّر میں
ملی تھیں چکیاں دو تا کہ آٹا پیس لیں گھر میں

گھڑے مٹی کے دو تھے اور اک چمڑے کا گدا تھا
نہ ایسا خوشنما تھا یہ نہ بدزیب اور بھدّا تھا

بھرے تھے اس میں روئی کی جگہ پتّے کھجوروں کے
یہ وہ ساماں تھا جس پر جان و دل قربان حوروں کے

وہ زہراؓ جن کے گھر تسنیم و کوثر کی تھی ارزانی
ملی تھی مشک ان کو تا کہ خود لایا کریں پانی

ملا تھا فقر و فاقہ ہی مگر اصلی جہیز ان کو
کہ بخشی تھی خدا نے اک جبینِ سجدہ ریز ان کو

چلی تھی باپ کے گھر سے نبی کی لاڈلی پہنے
حیا کی چادریں عفّت کا جامہ صبر کے گہنے

ردائے فقر بھی حاصل تھی توفیقِ سخاوت بھی
کہ ہونا تھا اسے سرتاجِ خاتونانِ[1] جنّت بھی

اسی کی تربیت میں اسوہ تھا یُمن و سعادت کا
اسی کی گود سے دریا ابلنا تھا شہادت[2] کا

وہی غیرت جو مہرِ خاتمِ حق کا نگینہ تھی
امینؐ کی لاڈلی ہی اُس امانت کی امینہ تھی

---

[1] دیکھو رحمۃ اللعالمین جلد دوم۔

[2] شہادت حضرت امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔

علی المرتضیٰ نے آج تاجِ ھَلْ اَتٰی پایا
دلہن کی شکل میں اک پیکرِ صدق و صفا پایا
پدر کے گھر سے رخصت ہو کے زہرا اپنے گھر آئی
توکّل کے خزانے دولتِ مہر و وفا لائی

رحمۃ للعلمین بیٹی کے گھر میں

عشا پڑھ کر چلا بیٹی کے گھر ہادی زمانے کا
دربیتِ علیؓ پر اذن مانگا اندر آنے کا
پئے تہذیبِ امت اذن حاصل کر کے سرورؐ نے
ضیا اس گھر کو بخشی زینتِ محراب و منبر نے

---

۵۱ دیکھو رحمت اللعالمین جلد دوم۔

۵۲ حضرت علی رضؓ اب تک آنحضرتؐ ہی کے پاس رہتے تھے شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لیں حارثہ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے۔ جن میں سے وہ کئی آنحضرت کی نذر کر چکے تھے۔ آنحضرت اس بارہ میں ان سے کہنے میں متامل تھے۔ حضرت حارثؓ نے سُن پایا۔ دوڑ کر حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا میرے پاس جو کچھ ہے سب حضور کا ہے۔ خدا کی قسم مکان آپ کے کام آئے۔ وہ میرے پاس رہ جانے والے مکان سے زیادہ مسرت دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ایک مکان خالی کر دیا۔ حضرت فاطمہ رضؓ وہاں تشریف لے گئیں۔ (سیرت النبی)

۵۳ جب فاطمۃ الزہراء نئے گھر میں جا بسیں۔ تو آنحضرتؐ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ دروازے پر کھڑے ہو کر اذن مانگا۔ پھر اندر آئے۔ (سیرت النبی)

بشفقت سادہ پانی کا پیالہ ایک منگوایا ۔ دعا دم کر کے خود تھوڑا سا پانی نوش فرمایا

دیئے پانی کے چھینٹے سینہ و بازوئے حیدرؓ پر ۔ یہی پانی رسولؐ اللہ نے چھڑکا پاک دخترؓ پر[1]

محبت اور شفقت سے بٹھا کر پاس دونوں کو ۔ دعا کی اے خدا یہ عقد آئے راس دونوں کو

ہو ان کی نسل یا رب دو جہاں میں خیر کا باعث ۔ یہ عقد خیر ہو کون و مکاں میں خیر کا باعث

خداوندا انہیں پاکیزہ سے پاکیزہ تر کر دے ۔ عمل میں دے اثر انکے ارادے خیر سے بھر دے

دعا کے بعد دختر سے پھر اتنی بات فرما دی ۔ کہ میں نے مرد افضل تر سے کر دی ہے تری شادی

---

۵۱ آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا ۔ اس پر دعا کی ۔ اور یہ پانی حضرت علیؓ کے سینہ و بازو پر چھڑکا پھر حضرت فاطمہؓ پر چھینٹے دیئے ۔ اور دعا کے طور پر یہ الفاظ فرمائے ۔ اللھم بارك فیھما وبارك علیھما وبارك لھما نسلھما یعنی اے اللہ تو زوجین کے باہمی تعلقات میں برکت دے ۔ اور جو ان کے متعلقات ہوں ان کو برکت دے ۔ اور ان کی نسل میں برکت دے ۔ (اصابہ)

۵۲ آپ نے حضرت فاطمہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا ۔ کہ میں نے اپنے خاندان کے افضل تر شخص سے تیرا نکاح کیا ہے ۔ (طبقات ابن سعد و اصابہ)

ادب سے سر جھکائے سامنے استادہ تھے دونوں
حیاداری کی اک زندہ شبیہہ سادہ تھے دونوں

ستاروں کو ہے اب تک یاد یہ پُر کیف نظارا
مرخّص اپنے پیاروں سے ہوا اللہ کا پیارا



عذرِ مصنّف

کئے ہیں مختصر حالات جو اب تک بیاں میں نے
نہیں آنے دیا ہے ان میں رنگِ داستاں میں نے

ادب اے نکتہ چیں یہ تذکرہ ہے پاک بندوں کا
صداقت کیش صدیقوں شہیدوں حق پسندوں کا

مجھے ملحوظ ہے اس تذکرے میں راست گفتاری
وگرنہ شاہبازِ فکر اُڑنے سے نہیں عاری

خیال و خواب کی ہوتی اگر ہنگامہ آرائی
تو رعد اور زلزلے کی بھی نہ کرتا کوئی شنوائی

بیاں کرتا اگر حالات فرضی شہسواروں کے
تو اِک شمشیر سے میں سر اُڑا دیتا ہزاروں کے

صداقت کا اگر میں خُون کرنے پر اُتر آتا
تو صحرائے عرب میں بحرِ احمر ہی نظر آتا

جو موضوعِ سخن مجھ کو اجازت اک ذرا دیتا
زمینوں کو اُٹھا کر آسمانوں پر بٹھا دیتا

مجھے گر یاد ہیں قطرے کو طُوفاں کر دکھانے کے
کسی ذرّے کو وسعت میں بیاباں کر دکھانے کے

میرے دامن میں ہے ابرِ خزانی بھی بہاری بھی
کہ ہے آتش فشانی بھی نفس میں برف باری بھی

نہیں نا آشنا میرا قلم رنگیں نگاری سے
زمینِ شعر ہے فردوس میری لالہ کاری سے

یہاں عاید ہے مجھ پر نصِّ قرآنی کی پابندی
کہ ہے اس سے تجاوز میں خدا کی نارضامندی

تخیّل پر نہیں بنیاد میرے شاہنامے کی
صداقت کی طرف جاتی ہے راہِ راست خامے کی

مجھے ہی عاقبت کی فکر میں اللہ سے ڈرتا ہوں
ادب لازم ہے محبوبِ خدا کا ذکر کرتا ہوں

نہیں جائز نہیں اس تذکرے میں رنگ آمیزی
گنہ ہے ان زمینوں پر سمندِ طبع کی تیزی

یہ اس کا تذکرہ ہے جو مبلّغ تھا صداقت کا
دکھایا معجزہ جس نے صداقت ہی کی طاقت کا

نہ ہے یہ زال کا قصہ نہ رستم کی کہانی ہے
پرِ سیمرغ ہے اس میں نہ راہِ ہفت خوانی ہے

نہ کوئی داستاں ہے جس میں لطفِ داستاں بھر دوں
نہ افسانہ ہے جس کو جس طرح چاہوں بیاں کر دوں

یہ قرآنی بیاں ہے ایک کالی کملی والے کا
کہ جس کے نور سے ظلمت نے منہ دیکھا اجالے کا

شکوہ و شانِ مصنوعی میرے مقصد سے خارج ہیں
یہ زیور جسم و روحِ شعر کی صحت میں حارج ہیں

بیاں میں اختصار و سادگی ملحوظ رکھّی ہے
بڑی مشکل سے جانِ واقعہ محفوظ رکھّی ہے

نہ اظہارِ کمالِ شاعری مطلوب ہے مجھ کو
نہ پندارِ وبالِ ساحری مرغوب ہے مجھ کو

میرا مقصود اتنا ہے کہ انساں نیک ہو جائیں
خدا کو ایک مانیں اور خود بھی ایک ہو جائیں

وہی مقصود ہے میرا جو مقصودِ صداقت ہے
وہی معبود ہے میرا جو معبودِ صداقت ہے

ہوئی اس راہِ وحدت میں تلاشِ رہنما مجھ کو
نظر آیا نہ کوئی "کملی والے" کے سوا مجھ کو

وہ سادی کملی والا جو شہنشاہوں کا آقا تھا
جسے مرغوب سادہ زندگی تھی فقر فاقا تھا

اُسی کی زندگی نے زندگی کو زندگی بخشی
گلوں کو رنگ ماہ و مہر کو تابندگی بخشی

محمد ﷺ نے جوشِ زندگی بخشا ضعیفوں کو
شریروں پر مسلط کر دیا آخر شریفوں کو

محمد ﷺ نے گمراہوں کو سیدھی راہ دکھلائی
خدائے واحد و رحمٰن کی درگاہ دکھلائی

سکھانے کیلئے قانونِ آزادی کی پابندی
وہ آیا لے کے اس دُنیا میں آئینِ خداوندی

گدا و شاہ کو رتبے میں یکساں کر دیا جس نے
سہارا مور کو دے کر سلیماں کر دیا جس نے

نویدِ بخششِ یوم الحساب اس کی زباں پر تھی
وہ اُمی تھا مگر ام الکتاب اُس کی زباں پر تھی

گھٹائے زور اُس نے سخت کوشوں کے ایلموں کے
کئے حق اُس نے قائم عورتوں کے اور یتیموں کے

دیا آکر غلامی کی رہائی کا سبق اُس نے
کیا انسان پر آساں یہ مضمونِ ادق اُس نے

اُدھر دنیا تھی اور دنیا کی نمرودی و شدّادی ‏ ‏ ادھر کیا تھا فقط اسلام اور اسلام کا ہادی

(حاشیہ صفحہ ۲۱۵) قرآن فرماتا ہے لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ج (البقرہ)

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق و مغرب کی طرف رُخ کرلو۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور آخرت پر فرشتوں پر۔ اور خدا کی کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں اور اپنے مال کو اللہ کی محبت میں رشتہ داروں پر۔ یتیموں پر محتاجوں پر مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کو آزاد کرانے پر خرچ کیا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ فَكُّ رَقَبَةٍ (بلد)

جانتے ہو (قرب الٰہی تک پہنچنے کی) گھاٹی کیا ہے۔ غلاموں کو رہائی دینا۔

عن ابی هريرة - عن النبی صلی اللہ عليه وسلم قال الله تعالی ثلاثة انا خصمهم يوم القيمة رجل اعطی بی ثم غدر ورجل باع حرا فاکل ثمنه ورجل استاجر اجيرا فاستوفی منه ولم يعط اجره یعنی حضرت ابوہریرہ روائت کرتے ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالےٰ نے مجھے کہا ہے تین قسم کے لوگوں پر میں قیامت کے دن ناراض ہوں گا۔ اول وہ آدمی جو میرا واسطہ دے کر کوئی عہد کرتا ہے پھر غداری کرتا ہے دوم وہ آدمی جو کسی آزاد آدمی کو غلام بناکر اور فروخت کرکے اسکی قیمت کھاتا ہے سوم وہ جو کسی آدمی کو کام پر لگاتا ہے اور اس کام کی مزدوری ادا نہیں کرتا۔

(بخاری کتاب البیع)

وہ آیا اور انسانوں کے شیطانوں کو للکارا
زمانے بھر کے فرعونوں کو ہامانوں کو للکارا

ہلاکت خیز تھی وہ قلزمِ باطل کی طغیانی
کہ جس میں غرق ہونے ہی کو تھی دنیائے انسانی

بڑھا وہ کشتیٔ حق لے کے دنیا کے بچانے کو
صلائے عام دی اسلام کی سارے زمانے کو

نظر آیا قریب و دور جو بھی ڈوبنے والا
سہارا دے کے بیچارے کو اس کشتی میں لا ڈالا

وہ انساں جو نکالے جا چکے تھے بحرِ عصیاں سے
مسلح کر دیا اُن کو بھی ملّاحی کے ساماں سے

ہوئیں تفویض اُن کو خدمتیں احسان کرنے کی
دل و جاں بہرِ مخلوقِ خدا قربان کرنے کی

چلے وہ ناخدائے کشتیٔ حق کے اشارے پر
جہاں بہتی تھیں جانیں کفر کی موجوں کے دھارے پر

دہن کھولے ہوئے لپکی یہاں فوجِ نہنگ اُن پر
یہ نیت تھی کہ گوشہ زیست کا ہو جائے تنگ اُن پر

بڑھیں بل کھا کے چاروں سمت سے شیطان کی فوجیں
خدا کی ناؤ سے اُٹھ اُٹھ کے ٹکرانے لگیں موجیں

نہ لیکن ہو سکا ہرگز کوئی تختہ جدا اس کا
یہ کشتی تھی خدا کی ناخدا تھا مصطفےٰ اس کا

وہ اُمّی کس طرح غالب ہوا ساری بلاؤں پر
نہنگوں اور موجوں اور طوفانی ہواؤں پر؟

رہی محفوظ کشتی کس طرح مہلک چٹانوں سے
ہوئے یہ کارنامے کس طرح اُن چند جانوں سے؟

ابھارا کس طرح ان ڈوبتوں کو قعرِ دریا سے
گرے جو پے بہ پے دریا میں اپنی لغزشِ پا سے

کیا حق نے فرو طوفانِ عصیاں کس طرح آخر
بچائی جا سکی دنیائے انساں کس طرح آخر

یہ کس قانون نے بخشی تھی آزادی غلاموں کو
بھلا بیٹھی ہے دنیا آج جن کے کارناموں کو

ہوا تھا کس ہوا سے گلشنِ ہستی تر و تازہ
بندھا کس طرح اوراقِ پراگندہ کا شیرازہ

یہ سب کچھ انتہائی سادگی سے عرض کرنا ہے
کوئی افسانہ کہنا ہے نہ کوئی رنگ بھرنا ہے

یہی میرے مقاصد ہیں یہی احساس ہیں میرے
میں عامی ہوں مخاطب ہی عوام الناس ہیں میرے

غلاموں کو ملے شاید رہائی کی نوید اس سے
اثر اندوز ہو جائے کوئی روحِ سعید اس سے

کسی کی مغفرت کا یہ اگر ساماں ہو جائے!
تو شاید حشر میں مشکل مری آساں ہو جائے!



باب سوم

مکّے والوں کے اِنتقامی حملے

مدینے پر ابوسفیان کی دستبرد

اَور

غزوۂ سویق

اُدھر مکّے میں تھی اب اک بڑے حملے کی تیاری | اِدھر یثرب میں فتنہ تھا یہودی قوم کا جاری

منافق ہر طرح اب کر رہے تھے فتنہ انگیزی | کہ ہو جائے کسی صُورت مسلمانوں میں خونریزی

قبائل بھی اُتر آئے تھے اپنی شورہ پشتی پر[1] | بہر سو مستعد تھے رہزنی پر دھینگا مشتی پر

[1] دیکھو صفحہ ۲۲۰

غرض اس وقت تھا سارا جہاں اسلام کا دشمن — محمدؐ مصطفےٰ کا اور خدا کے نام کا دشمن

تبر تھے آندھیاں تھیں ورنہ تھا نخلِ اسلامی — ابھی تھیں ننھی ننھی ڈالیاں اور نازک اندامی

یہ پودا پل رہا تھا اپنے مالی ہی کے دامن میں — لگا لپٹا ہوا سرکارِ عالی ہی کے دامن میں

اسی کا حوصلہ تھا جس نے ٹالا ان بلاؤں کو — لیا خود اپنی ذاتِ پاک پر سمّی ہواؤں کو

ابوسفیان کی قسم

قریشی فوج نے جب بدر میں دیکھی نگونساری — ابوسفیاں کو حاصل ہوگئی باطل کی سرداری

قسم کھائی تھی اس نے جب تلک بدلہ نہ لے لونگا — کوئی بھی کھیل ہرگز عیش و عشرت کا نہ کھیلونگا

لگی تھی آگ کچھ ایسی کہ جینا تھا حرام اس کو — جلائے ڈالتا تھا سوزِ داغِ انتقام اس کو

یہ دو سو رہزنوں کو ساتھ لے کر شہر سے نکلا[1] — برائے رہزنی معمور ہو کر قہر سے نکلا

(حاشیہ صفحہ ۲۱۹) آنحضرت کو قبائل سلیم و غطفان کے مدینے پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہونے کی اطلاع ملی۔ آپ صحابہ کی جماعت کو لیکر قرقرۃ الکدر تک تشریف لے گئے۔ (دیکھو ابن سعد و زرقانی)

[1] ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک بدر کا بدلہ نہ لے لوں گا اپنے بالوں میں تیل (بقیہ بر صفحہ ۲۲۱)

قسم کھا کر ہبل کی بہرِ قتلِ اہلِ دیں آیا
اندھیری رات میں ظالم مدینے کے قریں آیا

بھروسا تھا اُسے اپنے یہودی یارِ محرم پر
اندھیرے ہی میں دستک دی مکانِ ابنِ مشکم پر

یہودی نے خوشی سی لا کے اپنے گھر میں ٹھہرایا
مدینے کے مسلمانوں کا سارا حال بتلایا

تواضع کی گئی اس کی شرابِ ارغوانی سے
مبادا سرد ہو جائے حسد کی آگ پانی سے

ابوسفیان کی دستبرد

ابھی کچھ رات باقی تھی کہ جاگا فتنۂ دوراں
مکانِ ابنِ مشکم سے نکل آیا ابوسفیاں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۰) ڈالوں گا۔ نہ اپنی بیوی کے پاس جاؤں گا۔ اب ذالحجہ میں دو سو مسلح سواروں کو لیکر مکے سے نکلا اور غیر معروف راستوں پر چلتا ہوا مدینے کے قریب پہنچا۔ (دیکھو ابن ہشام و ابن سعد)

۵۱ ابوسفیان اپنے سواروں کو مدینے کے باہر ٹھہرا کر رات کی تاریکی میں یہودی قبیلہ بنو نضیر کے رئیس ابن مشکم کے مکان پر شب باش ہوا۔ (ابن ہشام و ابن سعد)

۵۲ ابن مشکم نے آنحضرت سے معاہدۂ امن کی خلاف ورزی کی اور ابوسفیان کو نہایت تواضع سے اپنے ہاں ٹھہرایا اور مسلمانوں کے حالات بتلائے۔ (ابن ہشام و ابن سعد)

۵۳ ابن مشکم نے ابوسفیان کو رات بھر شراب پلائی اور لذیذ کھانے کھلائے۔ (سیرت النبی)

مضافاتِ مدینہ میں تھی اک چھوٹی سی آبادی ۔۔۔ مکاں تھے چند نخلستاں تھے اور تھی خوشنما وادی

چرا کرتے تھے اکثر اونٹ بھی اس میں مدینے کے ۔۔۔ دکھائے اس جگہ جوہر ابوسفیاں نے کینے کے [۵۱]

وہ قزّاقوں کو اپنے ساتھ لے کر اس طرف آیا ۔۔۔ نشاں اونٹوں کا لیکن آج وادی میں نہیں پایا

فقط سوئے ہوئے دو کاشتکار اسکو نظر آئے [۵۲] ۔۔۔ بدی کے نقش پوری شان سے دل میں ابھر آئے

درختوں کے سوا کوئی نہ پایا دیکھنے والا ۔۔۔ سواروں نے انہی سوئے ہوؤں کو قتل کر ڈالا

ہوا ٹھنڈا نہ دل جب مار کر ان پاسبانوں کو ۔۔۔ لگا دی آگ سب کچھ لوٹ کر خالی مکانوں کو

جلائے گھاس کے انبار بھی آتش نژادوں نے ۔۔۔ درختوں کو بھی خاکستر کیا ان بدنہادوں نے

بزعمِ خود قسم پوری ہوئی غسلِ جنابت کی ۔۔۔ دکھا دی آن گویا اس طرح قرشی نجابت کی [۵۳]

---

۵۱ صبح کو ابوسفیان عریض پر حملہ آور ہوا۔ جو مدینے سے تین میل کے فاصلے پر ہے۔ (سیرت النبی)

۵۲ اس وادی میں مسلمانوں کے اونٹ چرا کرتے تھے اور بہت سے کھجوروں کے جھنڈ تھے اور کچھ جھونپڑے تھے۔ مگر اتفاق سے اس وقت مویشی موجود نہ تھے۔ ایک انصاری سعد بن عمرو اور ایک ان کا حلیف وہاں موجود تھے۔ (ابن ہشام)

۵۳ سواروں نے دونوں بے گناہوں کو قتل کر دیا۔ کھجور کے درختوں کو آگ لگا دی۔ گھاس کے انبار اور جھونپڑے بھی جلا دیئے۔ گویا ابوسفیان نے اپنی قسم پوری کر دی۔ (ابن سعد و ابن ہشام)

آنحضرتؐ ابُوسفیان کے تعاقب میں

ہوئی جب صبح۔ آوازِ اذاں آئی بشر جاگے — تو یہ شب زد پاداشِ عمل کے خوف سے بھاگے

ابُوسفیاں کی یہ کرتوت فوراً ہو گئی ظاہر — اُٹھا پھر صحنِ مسجد سے وجودِ طیّب و طاہرؐ

بڑھے دو سو مجاہد ہمرکابِ مصطفیٰؐ ہو کر — تعاقب میں چلے اُن بزدلوں کے بادپا ہو کر[۱]

بڑھے اس سمت پر جس سمت سے یہ چور بھاگے تھے — مجاہد پیچھے پیچھے تھے فراری آگے آگے تھے

ابُوسفیان خوفِ جاں سے ڈرتا اور تھرّاتا — بھگاتا ساتھیوں کو بھاگو بھاگو منہ سے چلاتا

سلوکِ ابنِ مشکم کا بیاں اور ذکرِ مے کرتا — چلا جاتا تھا مکّے کی طرف راہوں کو طے کرتا

شتر بھی تھک گئے تھے راہزن اسوار تھے جن پہ — برائے زادِ راہ ستّو کے بورے بار تھے ان پہ

تعاقب ہو رہا تھا اب ابوسفیان گھبرایا — مسلمانوں کا خطرہ موت بن کر قلب پہ چھایا

سبک ہونے کو بورے ستوؤں کے جا بجا پھینکے — بھگوڑوں نے یہ سارے بوجھ اونٹوں سے اُٹھا پھینکے

۱؎ دیکھو طبری و ابنِ ہشام۔

بچا کر جان لے جانا ہی مشکل تھا نگاہوں میں | یہ ستّو بھاگتے ہیں پھینکتے جاتے تھے راہوں میں
اُٹھا لیتے تھے آکر کملی والے کے رفیق ان کو | رہی یاد ایک عرصے تک یہ افتادِ سویق[1] ان کو
بڑی جانکاہیوں مکاریوں اور کوشش و کد سے | یہ رہزن بچ ہی نکلے غازیانِ دین کی زد سے

تعاقب چھوڑ کر غازی پلٹ آئے مدینے کو
یہودی خطرہ تھا درپیش ملّت کے سفینے کو



---

[1] ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستّو تھا۔ بھاگتے وقت گھبراہٹ میں ستّو کے بورے پھینکتا گیا جو مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ عربی میں ستّو کو سویق کہتے ہیں اس لئے یہ واقعہ غزوہ سویق کے نام سے مشہور ہوا۔ (سیرت النبی)

جنگِ اُحد

جنگِ اُحد

قریشِ مکہ کی آتشِ انتقام

شاعروں کا دُوسرے قبائل کو بھڑکانا

گروہِ کفر جب سے بھاگ کر مکّے میں آیا تھا ۔۔۔ اسی دن سے یہ دستور العمل اُس نے بنایا تھا

کہ تیاری[1] کرے ہر فرد جنگِ انتقامی کی ۔۔۔ پذیرائی نہیں ہوگی کسی عذر اور خامی کی

---

[1] ابوسفیان کا وہ تجارتی قافلہ جس کا ذکر جنگ بدر کے باب میں ہو چکا ہے۔ اس کے منافع کی رقم جو پچاس ہزار دینار تھی۔ محض اس لئے دارالندوہ میں پڑی تھی۔ کہ رؤسائے قریش نے اسے انتقام بدر کے لئے محفوظ کر لیا تھا۔ اب یہ رقم نکالی گئی اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کی تیاریوں میں صرف ہوئی۔ یہی نہیں بلکہ ملک میں اس جنگ کے لئے چندہ بھی کیا گیا

(دیکھو ابن سعد)

قبائل کو قریشی شاعروں[۱] نے جا کے بھڑکایا — پرستارانِ باطل کو ضیائے حق سے دھڑکایا

کہا یہ مسئلہ ہے دینِ آبائی کی عزّت کا — پرانے مسلکِ لاتی و عزّائی کی عزّت کا

نئے مذہب کا بانی دیوتاؤں سے نہیں ڈرتا — اکیلا ہے مگر اتنے خداؤں سے نہیں ڈرتا

نہ ان کو پوجتا ہے وہ نہ ان کو مانتا ہے وہ — ہماری اس پرستش کو بُرائی جانتا ہے وہ

وہ کہتا ہے کہ تم اپنے خداوندوں سے منہ موڑو — یہ پتھر کی ہیں تصویریں انہیں چھوڑو انہیں توڑو!

اکیلے اک خُدا کا پُوجنا ہم کو سکھاتا ہے — نہ جسم اُس کا بتاتا ہے نہ شکل اسکی دکھاتا ہے[۲]

اسے وہ حیّ اور قیّوم اور رحمٰن کہتا ہے — ہمارے تین سو اور ساٹھ کو بے جان کہتا ہے

---

[۱] عرب میں جوش پھیلانے اور لوگوں کو گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا۔ قریش میں دو شاعر شاعری میں مشہور تھے۔ عمرو جمحی اور مسافح۔ عمرو جمحی بدر میں گرفتار ہو گیا تھا۔ لیکن رسول اللہ نے باقتضائے رحم اس کو رہا کر دیا تھا۔ قریش کی درخواست پر وہ اور مسافح مکّہ سے نکلے اور تمام قبائلِ قریش میں اپنی آتش بیانی سے آگ لگا آئے۔ (سیرت النبی)

[۲] لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ — کوئی چیز بھی خدا کی مثال نہیں اور وہ بندوں کی پکار سنتا اور ان کے حالات دیکھتا ہے حواس اور عقلیں خدا کا ادراک نہیں کر سکتے لیکن خدا کو ان سب کا ادراک ہے۔

وہ کہتا ہے کہ سب چھوٹے بڑے انسان برابر ہیں[1] — گدا و شاہ کم حیثیت و ذی شان برابر ہیں

وہ محفل میں بٹھاتا ہے رذیلوں کو حقیروں کو — امیروں کے مقابل کر دیا اُس نے فقیروں کو

بڑا حامی بنا ہے وہ یتیموں اور غلاموں کا — مخالف ہے ہمارے فائدے کے انتظاموں کا

ہمارا عورتوں سے[2] عشق بھی ہے ناگوار اس کو — نظر آتی ہیں گویا عورتیں پرہیزگار اس کو

ہمیں کہتا ہے تم ان عورتوں کا حق بھی پہچانو — انہیں اپنی طرح سمجھو انہیں اپنی طرح جانو

وہ کہتا ہے کہ ہر اک زندہ رکھے اپنی بیٹی کو — گوارا کس طرح کر لیں بھلا اشراف بیٹی کو

مٹانا چاہتا ہے وہ روایاتِ قدیمہ کو — بھلانا چاہتا ہے وہ روایاتِ قدیمہ کو

نہ جانے کون سا جادو ہے اِن بے کار باتوں میں — اُلٹ جاتا ہے دل انسان کا دو چار باتوں میں

---

[1] لا فضل العربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لابیض علی اسود ولا لاسود علی ابیض الا بالتقویٰ (حدیث) نہ عربی کو عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو عربی پر اور نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر فضیلت صرف تقویٰ کے ساتھ ہے (زاد المعاد)

[2] قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ - (قرآن) کہہ دیجئے۔ میرے پروردگار نے فحش کی ہر قسم کو کھلی ہو یا چھپی اور گناہ کو حرام کر دیا ہے۔

ہمارے سربراہوں نے اُسے اس کام سے روکا
اور اسکے ماننے والوں کو بھی اسلام سے روکا

انہیں تو انتہائی سرزنش بھی ہم نے کر چھوڑی
نہ اپنی ہٹ مسلماں بیوقوفوں نے مگر چھوڑی

چڑھاتے بھینٹ ہم ان کو ہبل اور لات کے آگے
ہمارے سخت پنجے سے مگر بچ کر نکل بھاگے

انہیں اب اہلِ یثرب نے بصد اکرام رکھا ہے
بدل کر نام یثرب کا مدینہ نام رکھا ہے

قبیلے اوس و خزرج کے مسلماں ہوتے جاتے ہیں
خداوندوں کے گھر یثرب میں ویراں ہوتے جاتے ہیں

محمدؐ کے خدا کا دین ہر سُو بڑھتا جاتا ہے
یہ قطرہ موج دریا بن رہا ہے چڑھتا جاتا ہے

قریش ان کو سزا دینے گئے تھے آپ چڑھ کر
محمدؐ نے نہ جانے پھونک مارا اُن پہ کیا پڑھ کر

بہتّر پہلواں جو قوم کے سردار تھے سارے
مسلمانوں نے آ کر بدر کے میدان میں مارے

ہبل اور لات و عزّیٰ نے ہمیں شاید سزا دی ہے
کہ ہم نے مدتوں سے بندگی ان کی گھٹا دی ہے

خداؤں دیوتاؤں کو خفا یوں کر لیا ہم نے
کہ ان کے دشمنوں کو زندہ کیوں رہنے دیا ہم نے

خدا سب روٹھے بیٹھے ہیں منانے کی ضرورت ہے
کوئی تازہ لہو ان کو پلانے کی ضرورت ہے

زمیں پر جب تلک زندہ ہیں دشمن دیوتاؤں کے
رہیں گے ہم ہدف تیرِ فلک ساری بلاؤں کے

اُٹھو اے لات و عزّیٰ و ہبل کے پُوجنے والو
محمدؐ اور اُس کے ساتھیوں کو ذبح کر ڈالو

کرو شیرازہ بندی قوم کے اوراقِ برہم کی
مسلمانوں کی قوت ہے عرب کے واسطے دھمکی

ہے تاریخِ عرب پر یہ بُرے مضمون کا دھبّا
دھلے گا اب تو مسلم خُون ہی سے خُون کا دھبّا

ہمیں پیشِ نظر جب گوشمالی ہو حریفوں کی
مدد کرتے رہے ہو تم ہمیشہ ہم ردیفوں کی

ہمیشہ سے ہمارا اور تمہارا بھائی چارا ہے
کہ جو دشمن ہمارا ہے وہی دشمن تمہارا ہے

ہمارے ساتھ ہو کر جنگ کرنا چاہیے اب بھی
عزیزو پاسِ نام و ننگ کرنا چاہیے اب بھی

ارادہ کر چکے ہیں اہلِ مکّہ ضرب کاری کا
کرو امداد یارو ہاں یہی ہے وقت یاری کا

مسلّح ہو کے مکّے سے جو اُٹھے لشکرِ جنگی
تو یثرب کی زمیں پر آسماں کرنے لگے تنگی

رہو تیار ہو کر کیل کانٹے سے جوانمردو
بلائیں جب تمہیں جنگ آوروں سے دشت کو بھر دو

مکّے میں فوج کا اجتماع

قریشی قاصدوں نے اس طرح جب آگ بھڑکائی
بھڑک اُٹھے قبائل کے خیالاتِ من و مائی

مہیّا ہو چکا مکّے میں جب سامان لڑنے کا ‫ ‫ ابُوسفیان نے چپکے سے کیا اعلان لڑنے کا

خبر دے دی گئی باہر کے امدادی قبائل کو ‫ ‫ کہ آئیں جلد لیکر اپنے جلّادی وسائل کو

تہامہ سے کنانہ کے قبائل متحد ہو کر ‫ ‫ چلے آئے مدد کے واسطے عقل و خرد کھو کر

ہوا اجماعِ باطل وادیٔ بطحا کے سینے پر ‫ ‫ اُٹھا غارت گری کے واسطے مکّہ مدینے پر

ہزاروں لڑنے والے آج اس لشکر میں شامل تھے ‫ ‫ شجاع و جنگجُو تھے آزمودہ کار و کامل تھے

تکبّر تھا سروں میں اور زبانوں پر ہمیں ہم تھا ‫ ‫ ابُوسفیان ان سب کا سپہ سالارِ اعظم تھا[۳]

جنابِ خالد و عمر ابنِ عاص اس وقت نائب تھے[۴] ‫ ‫ ابھی تک جوہرِ ایماں سر و سینہ سے غائب تھے

یہ لشکر مشتمل تھا ایسے ایسے قہرمانوں پر ‫ ‫ جو فوجوں کے مقابل بارہا کھیلے تھے جانوں پر

۱؎ ابو عزّہ شاعر نے تہامہ میں گشت لگا کر بنو کنانہ کو قریش کی مدد پر آمادہ کر دیا تھا (رحمۃ للعلمین)

۲؎ پانچ ہزار بہادروں کا لشکر جس میں تین ہزار شتر سوار دو سو اسپ سوار اور سات سو زرہ پوش پیادے بھی تھے۔ مدینے پر بڑھا۔ (رحمۃ للعلمین بحوالہ ناسخ التواریخ) ۳؎ دیکھو سیرت النبی

۴؎ حضرت خالد بن ولید جن کو سیف اللہ ہونا اور دنیائے اسلام کا سب سے بڑا جرنیل بننا مقدّر تھا۔ اس وقت تک کافر تھے۔ اور جنگ اُحد میں مسلمانوں پر انہی کے رسالے نے عقب سے حملہ کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر بن عاص جو فاتح مصر کے نام سے مشہور ہوئے اس فوج میں شامل تھے۔

انہیں مرغوب تھی غارت گری پیشہ تھا قزّاقی نہادِ آدمیت کا کوئی جوہر نہ تھا باقی

مرتّب ہو چکی جب ہر طرح سے فوج باطل کی بڑھی حق کی طرف یلغار کر کے موج باطل کی

سپاہی بھی چلے سردار بھی سردار زادے بھی شتر اسوار بھی اور گھڑ چڑھے بھی اور پیادے بھی

دہل کا شور سُن سُن کر ہوا فریاد کرتی تھی زمیں سہمی ہوئی اپنے خدا کو یاد کرتی تھی

وہ خونی شیر چیتے بھی جو صحراؤں میں رہتے تھے یہ آندھی دیکھ کر العظمۃ للہ کہتے تھے

قریشی عورتیں

قریشی عورتیں بھی دف بجاتی اور رجز گاتی چلی جاتی تھیں اُنکے آتشیں جذبات بھڑکاتی

۵۱ دوسری عورتوں کے علاوہ ہندہ بنت عتبہ زوجہ ابوسفیان۔ اُمّ حکیم عکرمہ بن ابوجہل کی بیوی فاطمہ بنت ولید حارث بن مغیرہ کی بیوی۔ اور حضرت خالد کی بہن برزہ بنت مسعود ثقفی صفوان بن امیّہ کی بیوی ریتہ بنت منبہ عمر بن عاص کی بیوی سلافہ بنت سعد طلحہ بن ابوطلحہ کی بیوی۔ خناس حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالےٰ عنہ مشہور جانباز صحابی کی کافرہ ماں۔ یہ سب فوج کا دل بڑھانے اور انکو ثابت قدم رکھنے کے لیے ساتھ چلیں (دیکھو سیرت النبی اور خاتم المرسلین وغیرہ)

غلاموں اور جلّادوں کو دم اور درم دے دے کے ۔۔۔ فریب وعدۂ آزادی و انعام دے دے کر

بڑھاوے دے کے بدکاروں کو مال و گنج دینے کے ۔۔۔ یہ حربے لے کے آئی تھیں نبیؐ کو رنج دینے کے

یہ ساری ڈائنیں پرچھائیاں تھیں فطرتِ بد کی ۔۔۔ بہت مشتاق تھیں یہ قتلِ اصحابِ محمدؐ کی[۵۲]

بلائیں جمع ہو کر طیش میں آ کے نکلی تھیں ۔۔۔ بشر کا خون پینے کی قسم کھا کے نکلی تھیں

آنحضرت کی اطلاع یابی

بچا کر آنکھ ماہ و مہر کی مخبر نگاہوں سے ۔۔۔ بڑھی آتی تھی قرشی فوج غیر آباد راہوں سے

ابوسفیان کو ان راستوں سے واقفیت تھی ۔۔۔ مدینے پر اچانک حملہ کر دینے کی نیت تھی

---

۵۱ حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے ہندہ کا باپ بدر میں مارا گیا تھا۔ جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے بدر میں مارا گیا تھا۔ اس بنا پر ہندہ نے وحشی کو جو جبیر کا غلام تھا اور حربہ اندازی میں کمال رکھتا تھا حضرت حمزہ کے قتل پر آمادہ کیا۔ اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگذاری کے صلہ میں اسے آزاد کر دیا جائے گا (سیرت النبی)

۵۲ بہت سی عورتیں ایسی تھیں جن کی اولاد جنگ بدر میں قتل ہو چکی تھی۔ اس لئے وہ جوش انتقام سے لبریز تھیں (سیرت النبی)

مگر باطل تھی یہ کوشش سپہ سالار باطل کی
نبیؐ پر ہوگئی افشا خبر یلغار باطل کی

نبی کے پاس آیا حضرت عباسؓ کا قاصد[۵۱]
کہ آتا ہے گروہِ مشرکاں بانیتِ فاسد

نبی نے انسؓ و مونسؓ دو جواں مامور فرمائے[۵۲]
جو جا نتر ہوا افواجِ قریشی کی خبر لائے

گذارش کی کہ حملہ آوروں کا اک بڑا لشکر
چلا آتا ہے آندھی کی طرح ارضِ مدینہ پر

اٹا لاان کا قربِ شہر میں ہے بند ہیں راہیں
اُجاڑیں اُن کے گھوڑوں نے مدینے کی چراگاہیں

شہر کی حفاظت کے ضروری سامان

نبی نے سُن کے امرِ واجب الاذعان فرمایا
مدینے کی حفاظت کے لئے سامان فرمایا

---

۵۱ حضرت عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ایمان لا چکے تھے۔ مگر حکم رسالت سے اب تک مکے ہی میں مقیم تھے۔ انہوں نے بنی غفار کے ایک شہسوار کو خط دے کر اور تین دن میں مدینے پہنچنے کی تاکید کرکے آنحضرت کے پاس بھیجا۔ آنحضرت اس وقت قبا میں تھے۔ قاصد وہیں باریاب ہوا۔ اور یہ خط پیش کیا (ابن سعد و زرقانی)

۵۲ آپ نے پانچویں شوال کو ۳ھ کو دو خبررسان خبر لانے کیلئے بھیجے انہوں نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینے کے قریب اور مدینے کی چراگاہ (عریض) کو ان کے گھوڑوں نے صاف کردیا۔ (سیرت النبی)

معیّن کر دیے دروازہ ہائے شہر پر غازی — کہ تھا غارت گروں سے خطرۂ شبخون اندازی

یہودی دشمنی کا رنگ بھی اب ہو گیا گہرا — درِ مسجد پہ قائم کر لیا اصحاب نے پہرا [۱]

اچانک آ لیا تھا شہر کو افواجِ شیطاں نے — گذاری جاگ کر یہ رات ہر فردِ مسلماں نے [۲]

مقرر کر دیا ہادی نے اک کو بندۂ تازہ [۳] — کہ ہو اچھی طرح جمعیّتِ باطل کا اندازہ

خبر آئی کہ جمعیّت ہے بیش از سہ ہزاران کی [۴] — کمک بھی آنے والی ہے بوقتِ کارزاران کی

رسالے بھی ہیں جنکے پاس نیزے بھی ہیں گھوڑے بھی — سواران کے ہیں آہن پوش آہن پوش گھوڑے بھی

شتر اسوار کثرت سے ہیں کچھ لشکر پیادہ ہے — زرہ پوشوں کی گنتی سات سو ہے با زیادہ ہے

---

۱ حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجدِ نبوی کے دروازے پر پہرہ دیتے رہے۔

۲ خبروں کے اخفا میں بخیال بیدلی احتیاط کی گئی تھی اور عام مسلمانوں کو لشکرِ کفار کے تفصیلی حالات نہیں بتائے گئے تھے۔ پھر بھی یہ شب مدینہ میں سخت خوف و خطر کی رات تھی۔ (ابن سعد)

۳ قریش کے قریب آنے کی خبر موصول ہونے پر آپ نے ایک صحابی حباب ابن منذر کو حملہ آوروں کی تعداد کے صحیح تخمینہ کے لئے بھیجا۔ (ابن سعد)

۴ رحمۃ للعالمین کے محقق مصنف نے ناسخ التاریخ کے حوالے سے اس فوج کی تعداد پانچ ہزار لکھی ہے بہرحال تین ہزار شتر سوار دو سو اسپ سوار سات سو زرہ پوش پیادے مسلمہ تعداد تھی۔

یہ سُن کر مطلقاً اسلام کا ہادیؐ نہ گھبرایا
زباں سے حسبنا اللہ کہہ کے یُوں حضرتؐ نے فرمایا

مسلماں کو فقط اللہ کی امداد کافی ہے
اسی کا نام کافی ہے اسی کی یاد کافی ہے

جو بندوں کو ودیعت بہ امانت کرنے والا ہے
وہ قوت دینے والا ہے اعانت کرنے والا ہے

مسجدِ نبوی میں مجلسِ شوریٰ[1]

ابھی کچھ رات باقی تھی ابھی پہرا تھا ظلمت کا
ہوا اعلان بہرِ مشورت اجماعِ اُمّت کا

اکٹھے ہو گئے آکر مسلماں صحنِ مسجد میں
سمٹ آئی ضیائے صبحِ رخشاں صحنِ مسجد میں

پرانے اور نئے جتنے بھی تھے اللہ کے پیارے
بڑے چھوٹے معمّر اور جواں جھٹ آ گئے سارے

کیا اُمّت نے جب اجماعِ کامل بزمِ شوریٰ میں
ہوا ابنِ اُبیّ بھی آ کے شامل بزمِ شوریٰ میں[2]

---

[1] روزِ جمعہ کی صبح آنحضرت نے مسجدِ نبوی میں مسلمانوں کو جمع فرمایا اور قریش کے حملے کے متعلق ان سے مشورہ طلب کیا۔

[2] عبداللہ بن ابی جو منافقوں کا سرغنہ تھا مگر جنگ بدر کے بعد بظاہر مسلمان ہو گیا تھا۔ وہ بھی اس وقت مشورے میں شریک تھا۔ (سیرت النبی)

منافق تھا رسولؐ اللہ کا در پردہ دشمن تھا
یہ دشمن دامنِ رحمت کا اک پردہ در دشمن تھا

بظاہر یہ منافق دین کا اقرار کرتا تھا
بباطن جانِ ملت پر ہزاروں وار کرتا تھا

مدینے میں بہت سے اور بھی اسکے موافق تھے
کہ ظاہر میں مسلماں اور باطن میں منافق تھے

تمنا ان کی یہ تھی مسلموں میں تفرقے ڈالیں
ہویدا تھے نبیؐ پر ان کے سب حالات سب چالیں

یہ سب ایماں کا اقرار زبانی کرتے رہتے تھے
رسولؐ اللہ سب کچھ جانتے تھے کچھ نہ کہتے تھے

غرض ابنِ ابی اب مشورت میں ہو گیا شامل
اگرچہ قلب اس کا فتنہ انگیزی پہ تھا عامل

آنحضرتؐ کا خُطبہ[۱]

نمازِ صبح پڑھ کر آپ نے ارشاد فرمایا
کہ اے ایمان والو امتحاں کا وقتِ سخت آیا

قریش اس مرتبہ آئے ہیں پورے ساز و ساماں سے
کہ آزادی تمہاری چھین لیں شمشیر و پیکاں سے

کشاکش ہائے مرگ و زیست کا ہی اک کٹھن رستہ
جہاں چلنا ہے سب کو دست بستہ اور پا بستہ

---

[۱] مشورے سے قبل آنحضرت نے قریش کے حملے اور ان کے خونی ارادوں کا تذکرہ فرمایا۔

مجھے یہ جنگ ایسا حادثہ معلوم ہوتا ہے — جو ہر اُمت کو بہرِ امتحاں مقسوم ہوتا ہے

نبیؐ کو اس میں خود ہے احتمالِ صدمۂ ذاتی — دکھایا جا چکا ہے مجھ کو حالِ صدمۂ ذاتی

بغیر اسکے رہِ تہذیبِ ملّت طے نہیں ہوتی — کہ بڑھ کر جوہرِ ذاتی سے کوئی شے نہیں ہوتی

یہ رستہ ہے میرے اصحابِ اکبرؓ کی شہادت کا — کوئی وعدہ نہیں اس رہگذر میں خرقِ عادت کا

اگر امت نے احکامِ نبیؐ سے کی نہ سرتابی — نہ بشریّت نے پیدا کر دیا گر خوفِ اعصابی

پڑھا ہے نظمِ وحدت کا جو مضمونِ ادق تم نے — بھلا ڈالا نہ گر ہنگامِ سختی یہ سبق تم نے

اگر تم اس رہِ دشوار میں ثابت قدم نکلے — ثبات و صبر کے اظہار میں ثابت قدم نکلے

---

۵۱ آپ نے فرمایا۔ آج رات میں نے خواب میں ایک گائے دیکھی ہے۔ نیز دیکھا ہے کہ میری تلوار کا سرا ٹوٹ گیا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ گائے ذبح کی جا رہی ہے۔ پھر دیکھا کہ میں نے اپنا ہاتھ ایک مضبوط اور محفوظ زرہ کے اندر ڈالا ہے۔

۵۲ صحابہ نے اس خواب کی تعبیر دریافت کی تو فرمایا۔ گائے کے ذبح سے میں سمجھتا ہوں کہ میرے بعض اصحابِ اکبر کی شہادت مراد ہے۔ اور تلوار کے ٹوٹنے سے میرے عزیزوں میں سے کسی کی شہادت ہے۔ یا خود مجھے اس مہم میں کوئی جسمانی تکلیف پہنچے گی۔ زرہ کے اندر ہاتھ ڈالنے سے میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں مدینے کے اندر رہ کر مقابلہ مناسب ہے۔ (ابن ہشام وابن سعد)

حدیں قائم رکھیں تم نے اگر طاعت گذاری کی
تو دیتا ہوں بشارت میں تمہیں تائید باری کی

تمہیں اس وقت چاروں سمت سے اعدا نے گھیرا ہے
یہاں دشمن کا گھر ہے اس طرف اعدا کا ڈیرا ہے

مدینے کی جو حالت ہے وہ تم پر آشکارا ہے
قریشی لشکرِ جرار اُحد پر خیمہ آرا ہے

بتاؤ ان کو روکیں چل کے باہر چند میلوں پر
کہ اس لشکر کو بڑھنے دیں مدینے کی فصیلوں تک

بظاہر بند ہو کر جنگ کرنے میں ہے آسانی
یکایک زغنہ کر سکتے نہیں بیداد کے بانی

مگر یہ منحصر ہے کثرتِ آرائے ملت پر
تدبر شرط ہے ہر دیدۂ بینائے ملت پر

حقِ آزادیٔ آرا ہے دیں کا سنگِ بنیادی
تمہاری رائے جو بھی ہو بیاں کردو بآزادی

میری جانب سے ہر حالت میں استقلال دیکھو گے
محمدؐ کو رہِ حق میں شریکِ حال دیکھو گے

بگوشِ ہوش یہ خطبہ سنا ایمان والوں نے
جھکا دیں گردنیں فرطِ ادب سے شان والوں نے

گذارش کیں کھڑے ہو ہو کے تیں سب اکابر نے[1]
کیا تجویز یہ ہر ایک ضابط اور صابر نے

---

[1] مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیج دی جائیں اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے (سیرت النبی)

کہ لڑنا قلعہ بندی کے طریقے سے مناسب ہے
دفاعِ دشمناں ضبط اور سلیقے سے مناسب ہے

عبداللہ بن اُبی منافق کی رائے[1]

کہا ابنِ اُبی نے ہاں یہ دستورِ قدیمی ہے
ہے اس فائدہ مقصود اگرچہ چال دھیمی ہے

مدینے پر کیا کرتا تھا حملہ جب کوئی لشکر
تو ہو کر متحد سب شہر والے لڑنے مرنے پر

بٹھا دیتے تھے اپنی عورتیں ہر سمت ٹیلوں پر
مسلح اور جنگی مرد چڑھتے تھے فصیلوں پر

فراہم کر لئے جاتے تھے جھٹ انبار پتھر کے
بلندی سے ہوا کرتے تھے پھر وار پتھر کے

فصیلوں سے ہوا کرتی تھی بارش تند تیروں کی
تو چلتی تھی نہ کوئی پیش ان شمشیر گیروں کی

ہمارے باپ دادا یوں بھگا دیتے تھے دشمن کو
عدم کا راستہ اکثر دکھا دیتے تھے دشمن کو

مسلمانوں کو لازم ہے کہ میرا مشورہ مانیں
مری شخصیت و اہلیتِ جنگی کو پہچانیں

بٹھا دیں عورتوں بچوں کو چاروں سمت ٹیلوں پر
مسلح ہو کے خود بھی بیٹھ جائیں ان فصیلوں پر

---

[1] عبداللہ بن اُبی منافق نے بھی یہی رائے دی۔ (سیرت النبی)

کریں دشمن پہ بند اس شہر کا ہر ایک دروازہ
تو میری رائے کا اُس وقت ہو جائیگا اندازہ

مُسلم نوجوانوں کا جوشِ جہاد

سُنی صبر و سکوں سے رائے سب نے اس منافق کی
کہ نیت بد تھی لیکن اُس نے تقریر موافق کی

غرض جتنے معمّر لوگ اس شوریٰ میں شامل تھے
یہ تجویزِ نبردِ قلعہ بندی ہی کے حامل تھے

مگر وہ نوجواں نو خیز جوشیلے جری مسلم
وہ سادہ دل نقوشِ پختہ کاری سے بری مسلم

وہ مخمورِ شجاعت بادۂ نو رس کے متوالے
وہ تدبیروں سے ناواقف وہ دل والے وہ دست والے

وہ اُٹھے دست بستہ عرض کی اے ہادیٔ دوراں
ہمیں بخشی ہے جب سے آپ نے یہ نعمتِ ایماں

تمنّا ہے کہ نعمت کا بدل کچھ تو ادا کر دیں
نہیں کچھ اور کر سکتے یہ جانیں ہی فدا کر دیں

نہیں ہے دل رضامند اس نبردِ قلعہ بندی پر
کہ حرف آئیگا اس سے بدر کی فیروزہ مندی پر

سلہ اکثر صحابہ نے اور خصوصیت کے ساتھ اُن نوجوان مسلمانوں نے جو بدر کے جنگ میں شامل نہ ہوئے تھے اور شہادت اور خدمتِ دین کے جذبے سے سرشار تھے اصرار کیا۔ کہ ہم شہر سے نکل کر کھلے میدان میں مقابلہ کرنا شہر میں بند ہو کر لڑنے سے زیادہ پسند کرتے ہیں (ابن سعد و ابن ہشام)

ہماری تربیت گہ ہے مدینے کی یہی وادی
غلاموں کو یہیں بخشا گیا ہے حقِ آزادی

اسی وادی کے اندر کھیت ہیں مسلم کسانوں کے
ہواؤں نے سنے ہیں اس جگہ نغمے اذانوں کے

اگر ہم اس طرح مجبور ہو کر بیٹھ جائیں گے
فصیلِ شہر میں محصور ہو کر بیٹھ جائیں گے

تو سمجھیں گے عرب والے اسے جُبن اور کمزوری
پھر آئے دن دکھائیں گے شرارت اور سرشوری

اگر باہر نکل کر ہم نے دکھلائی نہ پامردی
تو سمجھی جائیگی اس میں مسلمانوں کی نامردی

قریش آئے ہیں بیشک ہر طرح تیاریاں کر کے
شکستِ بدر کو افتادِ ہنگامی گماں کر کے

صف آرا ہونگے انکے سامنے ہم دوبدو ہو کر
کہ جیسے بدر کے غازی لڑے تھے روبرو ہو کر

یہ سچ ہے واقعی تعداد بھی ان کی زیادہ ہے
مگر ان سے لڑیں گے ہم یہی پکّا ارادہ ہے

مقابل ہو کے روکیں گے ہم انکے وار سینے پر
انہیں بڑھنے نہ دیں گے اپنے جیتے جی مدینے پر

نہتے بے سروساماں سہی ایمان والے ہیں
غلامانِ نبی فضلِ خدا سے آن والے ہیں

زیادہ سے زیادہ قتل ہو جائیں گے پھر کیا ہے
نبیؐ کے دامنِ رحمت میں سو جائینگے پھر کیا ہے

رہِ حق میں یہی تو منزلِ مقصود ہے اپنی
شہادت پا گئے تو عاقبت محمود ہے اپنی

تمنّا ہے کہ اُڑ کر جا پڑے دل تیرِ قاتل پر / نظر روئے نبی پر ہو گلا شمشیرِ قاتل پر

بہ سرکٹ کر سوئے پائے محمد لوٹتا جائے / اِسی کو موت کہتے ہیں تو ایسی موت آجائے

رہیں گے ہم ہیں جو زندہ وغازی بنکے آئیں گے / کہ شمشیروں کے سائے میں نمازی بن کے آئیں گے

یہ جینا بھی سعادت کا یہ جینا بھی سعادت کا / اِدھر رتبہ غزا کا ہے اُدھر رتبہ شہادت کا

رہے ہم بدر میں محروم تحصیلِ سعادت سے / جہادِ فی سبیل اللہ سے تاجِ شہادت سے

ندامت کیلئے وہ ایک محرومی ہی کافی ہے / فصیلوں میں چھپیں اب بھی یہ غیرت کے منافی ہے

جوش و تحمل

نہایت جوش سے کیں ان صحابہ نے یہ تقریریں / زبانوں سے بیاں کر دیں کتابِ دل کی تفسیریں

جو بہرِ جنگِ میدانی بصد اصرار کوشاں تھے / بہت ان میں ابھی ناپختہ کار و تازہ ایماں تھے

ابھی یہ تازہ تازہ دامنِ رحمت میں آئے تھے / خُدا سے لو لگانے پر کبھی کوڑے نہ کھائے تھے

ابھی تک سختیاں جھیلی نہ تھیں ایمان لانے کی / ابھی تک بازیاں کھیلی نہ تھیں سر دھڑ لگانے کی

رہے تھے گھر میں یا مسجد میں یا پھر کھیت کے اوپر
نہ لیٹے تھے کبھی یہ تپتی تپتی ریت کے اوپر

نہ تھا معلوم دل پر جبر کرنا کس کو کہتے ہیں
سرِ ہنگام سختی صبر کرنا کس کو کہتے ہیں

نہیں دیکھا تھا۔ کیا ہنگامِ سختی پیش آتا ہے
پئے جاں خواستن کس طرح ہر بدکیش آتا ہے

قتالِ کارزارِ بدر آنکھوں سے نہ دیکھا تھا
سنا تھا نام جبر و قدر آنکھوں سے نہ دیکھا تھا

جری تھے شیر تھے طبعاً دلاور تھے جیالے تھے
یہی اک روز دنیا بھر کے فاتح بننے والے تھے

مگر گر گر کے اٹھنے پر مدارِ پہلوانی ہے
انہی ناکامیوں پر انحصار کامرانی ہے

کہ بچے بطنِ مادر سے جواں پیدا نہیں ہوتے
بنائے جاتے ہیں سب پہلواں پیدا نہیں ہوتے

بلندی پر پہنچنے کیلئے حاجت ہے زینے کی
سمندر پار کرنے کو ضرورت ہے سفینے کی

کتابی درس ہی سے شہسواری آ نہیں سکتی
اصول آئیں تو آئیں پختہ کاری آ نہیں سکتی

نبی کے سامنے تکمیل استعدادِ امت تھی
یہ کاہش ازبرائے وحدتِ افرادِ امت تھی

پیغمبر کا فیصلہ

سنیں حضرت نے مُسلم نوجوانوں کی یہ تقریریں
جو بہرِ جنگ گھر سے باندھ کر آئے تھے شمشیریں

جوانی میں تھا ذوق و شوق کا انداز بھی شامل
نیاز و عاجزی میں تھی ادائے ناز بھی شامل

اگرچہ آپ کو یہ ناز یکسر نا پسند آیا
محبت سے مگر قرآن ناطق نے یہ فرمایا

کہ راضی ہو اگر تم سخت گھاٹی سی گزرنے کو
کمر بندی کرو باہر نکل کر جنگ کرنے کو

خدا کے ہاتھ میں ہے سلسلہ فتح و ہزیمت کا
دعا مانگو کہ استقلال ساتھی ہو عزیمت کا

اگر صبر اور استقلال کو محفوظ رکھو گے
خُدا کے اور نبیؐ کے حکم کو ملحوظ رکھو گے

بجائے خود یہی فتح و ظفر کی اک نشانی ہے
کہ حق پر استقامت ہی کلیدِ کامرانی ہے

یہ سُن کر ہو گئے مسرور سب پتلے شجاعت کے
ننھے اصغر اور اکبر سب کے سب بندے اطاعت کے

۱۵؎ کثیر مسلم نوجوانوں نے اس اصرار کے ساتھ اپنی رائیں پیش کیں کہ آنحضرت نے ان کی بات مان لی اور فیصلہ فرمایا کہ اچھا ہم کھلے میدان میں کفار کی مدافعت کریں گے (دیکھو ابنِ سعد و ابنِ ہشام)

نبیؐ نے اب شعارِ راستی پر خطبہ فرمایا
نمازِ جمعہ کا وقت آگیا تھا جمعہ پڑھوایا

رحمۃ للعلمینؐ لباسِ جہاد میں

نماز جمعہ پڑھ کر ہو گیا اعلانِ تیاری
ہوا ضَو ریز حجرے میں حبیبِ حضرتِ باری

نبوّت کا جلالی رنگ چہرے سے ہویدا تھا
کہ جس کی ضَو سے ذرّہ ذرّے میں خورشید پیدا تھا

وفا و عشق کے رشتے سے دونوں دست و پا بستہ
ابوبکر و عمر تھے دم قدم کے ساتھ وابستہ

رفیقانِ نبیؐ کے قلب اس جلوے سے نکھر آئے
مہم غیر معمولی کے یہ نقشے نظر آئے

کوئی سخت اور نازک مرحلہ پیش آنے والا تھا
کہ خود ہادی نے سامان جنگ کرنے کو نکالا تھا

لباسِ جنگ پہنا آج سردارِ دو عالمؐ نے
خدا کی فوج اوّل کے سپہ سالارِ اعظمؐ نے

شرف بخشا زرہ کو چشمِ ہستی کے اجالے نے
سرِ اقدس پہ رکھا خود کالی کملی والے نے

ــلـہ نماز جمعہ کے بعد آپ نے مجاہدین کو تیاری کا حکم دیا - اور خود بھی حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق کو ساتھ لے کر اپنے حجرے میں تشریف لے گئے اور لباسِ جنگ زیب تن فرمایا۔ (ابن سعد و زرقانی)

کمر چمڑے کی پیٹی سے کسی تلوار لٹکائی — بھرا تیروں سے ترکش بھی کماں بھی دوش پر آئی
کیا حیران صدیق و عمر کو اس نظارے نے — لیا نیزہ بھی دستِ پاک میں اللہ کے پیارے نے
ابوبکرؓ و عمرؓ کے ہاتھ سے باصد ادب کوشی — مکمل ہو گئی محبوبِ حق کی اسلحہ پوشی

جوشیلے مجاہدین کا احساسِ ندامت

ادھر مسجد میں مردانِ مجاہد سربکف ہو کر — کھڑے تھے انتظارِ مصطفےٰ میں صف بصف ہو کر
ہوئے حضرت برآمد حجرۂ خلوت سے جلوت میں — ضیائے نور پھیلی نور کی جلوت سے جلوت میں
نبیؐ کو آج امت نے لباسِ جنگ میں دیکھا — جمالِ مصطفےٰ کو اس نرالے رنگ میں دیکھا
زرہ مغفر کمان و تیر و شمشیر و تبر بھالا — مجسّم نور جس کے گرد گرد اک نور کا ہالا
ہویدا تھا جمالِ سرمدی سرکارِ عالی سے — دلِ مردانِ عالم کانپ اٹھے شانِ جلالی سے

۱؎ زرہ زیب فرمائی - چمڑے کی پیٹی سے کمر کسی - سر پر عمامہ - تلوار حمائل کی - دوش پر سپر تھی - دست مبارک میں نیزہ تھا (دیکھو تاریخ الخمیس جلد اول)

۲؎ حضرت صدیق اکبر و فاروقِ اعظم نے اسلحہ پہننے میں آپ کا ہاتھ بٹایا تھا (ابن سعد)

ہوئی اب ان جوانانِ مجاہد کو پشیمانی
صلاحِ قلعہ بندی جن کی غیرت نے نہ تھی مانی

"ہمارے واسطے مقصودِ عالم سختیاں جھیلے
غلاموں کی مشقت آپ آقا ذات پر لے لے"

زرہ پہنی ہمارے واسطے محبوبِ داور نے
اٹھائی یہ مشقت بحرِ عرفاں کے شناور نے

دفاعِ دشمناں کے واسطے بھالا سنبھالا ہے
تو ظاہر ہے کہ بھاری واقعہ پیش آنے والا ہے

مؤدب ہو کے از راہِ ندامت عرض گذرانی
ہمارے باپ ماں قربان اے محبوبِ یزدانی

نہ جانے اختلافِ رائے عالی کیوں ہوا ہم سے
نہیں پوشیدہ حالِ دل ہمارا دل کے محرم سے

نبردِ قلعہ بندی ہو کہ میداں کی لڑائی ہو
اسی صورت سے طے فرمایئے جس میں بھلائی ہو

حقیقت میں ہماری رائے کیا ہے اور ہم کیا ہیں
اسی سرکار اسی دربار ہی کے نام لیوا ہیں

کیا خورشید ذروں کو یہ سب احسان ہی تو ہے
جگہ دامن پہ دے کر آپ نے عزت بڑھا دی ہے

سلہ حضرت سعد بن معاذ رئیس قبیلہ اوس اور دوسرے اکابر کی تصریح سے نوجوانان مشتاقان جہاد کو اپنی رائے کی غلطی کا احساس پیدا ہو رہا تھا۔ اور ان کے دل پشیمان ہو رہے تھے۔ اب جو حضور اسلحہ لگائے اور زرہ اور خود پہنے ہوئے حجرے سے برآمد ہوئے۔ تو ان کے دل ندامت سے لبریز ہو گئے۔ (ابن سعد)

رسُول اللہ پر ظاہر ہے جو ہم سے ہی پوشیدہ ۔ وہی فرمائیے جو بہرِ ملّت ہو پسندیدہ[۱]
پسندیدہ نبردِ قلعہ بندی ہی کی صُورت ہے ۔ لباسِ جنگ اُتاریں آپ کیا اسکی ضرورت ہے

پیغمبرؐ کا جواب

صحابہؓ پر جو طاری جوشِ رقّت کا اثر پایا ۔ تبسّم زیرِ لب فرما کے ہادیؐ نے یہ فرمایا
کہ اے ایمان والو فکرِ مندی نامناسب ہے ۔ چلو میدان میں اب قلعہ بندی نامناسب ہے
خُدا اس جذبۂ اخلاص کی تحسین کرتا ہے ۔ نبیؐ پھر تم کو استقلال کی تلقین کرتا ہے
نظارا فتح کا پیشِ نظر ہو یا ہزیمت کا ۔ نہیں واجب نبیؐ کو فسخ کر دینا عزیمت کا[۲]

---

[۱] سب نے یک زبان ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم سے غلطی ہوئی کہ ہم نے حضور کی رائے کے مقابلے میں اپنی رائے پر اصرار کیا - آپ جس طرح مناسب خیال فرمائیں ملّت کے مفاد کے لئے وُہی طریق کار بہتری کا موجب ہوگا - اور اسی میں برکت ہوگی (دیکھو زرقانی)

[۲] آپ نے فرمایا جب تک اللہ کوئی فیصلہ نہ فرمادے اللہ کے نبی کی شان سے بعید ہے کہ وہ ہتھیار پہن کر اتار دے (دیکھو بخاری - کتاب الاعتصام)

سرِ میداں نہ جب تک تیغ کوئی فیصلہ کر دے
خدا جب تک نہ از خود حق کو باطل سے جدا کر دے

پیمبرؐ کیلئے فسخِ عزیمت کی مناہی ہے
یہ ارشادِ الٰہی ہے۔ یہ ارشادِ الٰہی ہے

خیالِ بغض و کینہ دُور کر کے اپنے سینے سے
رضائے حق طلب کرتے ہوئے نکلو مدینے سے

ادائے فرض ہے مطلوب مرنا ہو کہ جینا ہو
مجاہد کو ہیں سب مرغوب مرنا ہو کہ جینا ہو

مجاہدین کا مدینے سے خروج جانب اُحد

یہ کہہ کر امر فرمایا پیمبرؐ نے سواری کا
درِ مسجد پہ حاضر تھا فرس محبوب باریؐ کا

درِ مسجد سے نکلے شہسواری کیلئے سرورؐ
مہ و خورشید گھوڑے کی رکابیں بن گئے آکر

کیا خورشیدِ عرفاں نے منوّر خانۂ زیں کو
فرس بھی وجد میں آیا اُٹھا کر سرورِؐ دیں کو

مہِ شوال تھا اور چودھواں دن تھا مہینے کا
کہ نکلا چاند تاروں کی طرح لشکر مدینے کا

لہ قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہِ اُحد پر ڈیرا ڈالا۔ آنحضرت صلعم جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکلے۔ (سیرت النبی)

سواری صورتِ ابرِ بہاری شہر سے نکلی
جلو میں اُمّتِ محبوبِ باری شہر سے نکلی

نقیبانِ رسالت آگے آگے پا پیادہ تھے
کہ یہ سعد بنِ دیں ابنِ معاذ ابنِ عبادہ تھے

یہ دونوں پیکرِ سادہ تھے خدمت و رسالت کے
رئوسا اوس و خزرج کے مگر چاکر رسالت کے

نبیؐ کے پیچھے پیچھے داہیں بائیں سب مجاہد تھے
یہی میداں میں غازی تھے یہی مسجد میں زاہد تھے

لشکرِ اسلام میں منافقین کی شمولیت

ہزار انسان گنتی کے عدد تھے آج لشکر میں
سوارانِ زرہ پوش ایک صد تھے آج لشکر میں[۵۳]

چلا ابنِ اُبی اپنے موافق ساتھ میں لے کر
رہِ حق میں اک انبوہِ منافق ساتھ میں لے کر

---

۵۱ سعد بن معاذ رئیس اوس اور سعد بن عبادہ رئیس خزرج آنحضرت کے گھوڑے کے آگے آگے آہستہ آہستہ دوڑتے جاتے تھے۔ اور باقی اصحاب حضور کے چپ و راست اور پیچھے پیچھے چل رہے تھے (ابن سعد)

۵۲ اس وقت لشکر کی تعداد ایک ہزار تھی جن میں صرف ایک سو آدمی زرہ پوش تھے۔ اس ایک ہزار میں عبداللہ بن ابی کے تین سو ساتھی بھی شامل تھے۔

۵۳ اس وقت عبداللہ بن ابی تین سو کی جمعیت لے کر ساتھ چلا تھا۔ (سیرت النبی)

موافق بھی جلو میں تھے نبیؐ کے ناموافق بھی
تھے اس تعداد میں شامل مدینے کے منافق بھی

ذرا سی دیر میں وہ مرحلہ بھی آنے والا تھا
کہ گوہر اور خزف کا امتحاں ہو جانے والا تھا

وہ نوجوان جن پر جہاد فرض نہ تھا

صف آرا کر کے لشکر کو لیا جب جائزہ سب کا
کیا ایماں کی آنکھوں نے نظارا قدرتِ رب کا

نہ ڈالا شانِ قدرت نے یہ بارِ فرض بچّوں پر
جہاد فی سبیل اللہ نہیں تھا فرض بچّوں پر

بڑے ہو کر جنہیں کھینا تھا ملت کے سفینے کو
وہ سب کمسن دلاور کر دیے واپس مدینے کو[1]

مگر ان شیر بچّوں میں انہی کا ایک ہم سن تھا[2]
جہاد اس پر نہ تھا واجب کہ وہ اس وقت کم سن تھا

برائے جائزہ باندھیں صفیں جب فوجِ امت نے
اسے بھی کر دیا لا کر کھڑا شوقِ شہادت نے

بڑوں کے ساتھ شانوں کو ملا کر پہلوان بن کر
ہوا یہ اس طرح استادہ انگوٹھوں کے بل تن کر[3]

۱؎ کم عمر بچّے مثلاً حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ۔ اسامہؓ بن زید۔ ابو سعیدؓ خدری وغیرہ جو شوقِ جہاد میں ساتھ آئے لشکر کا جائزہ لیتے وقت واپس لوٹا دیے گئے۔ ۲؎ رافعؓ بن خدیج (سیرت النبی)
۳؎ جان نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانوں میں رافعؓ بن خدیج سے کہا گیا کہ تم عمر میں چھوٹے ہو واپس جاؤ تو وہ انگوٹھوں کے بل تن کر کھڑے ہو گئے کہ قد اونچا نظر آئے (طبری)

شہادت کی طلب میں مل گئی سؐل کی مراد اسکو ‏ — نبیؐ نے مسکرا کر دے دیا اذنِ جہاد اسکو [۵۱]

تھیں اسکو سرفروشی ہی میں امیدیں منافع کی ‏ — یہ شوخی کام آئی چل گئی ترکیب رافعؓ کی

اسی کا ایک ہمسن دیکھتا تھا اس طریقے کو ‏ — نہ لا سکتا تھا لیکن کام میں اب اس سلیقے کو

نبیؐ نے جائزے کے وقت اُسے کم عمر پایا تھا ‏ — تو حکمِ واپسی رافعؓ سے پہلے ہی سنایا تھا

یہ اپنے باپ کو لیکر رسالتؐ کے حضور آیا ‏ — مروّت کے حضور آیا شفاعت کے حضور آیا

گذارش کی میرے ماں باپ قرباں یا رسولؐ اللہ ‏ — کیا ہے آپ نے رافع پہ احساں یا رسولؐ اللہ

اُسے دیدی اجازت دشمنوں سے جنگ کرنے کی ‏ — شہادت سے رخِ امید کو گلرنگ کرنے کی

---

۵۱ حضرت رافعؓ بن خدیج کی یہ ترکیب کام آئی اور انہیں اجازتِ جہاد مل گئی (طبری)

۵۲ سمرۃؓ بن مندب (ابن ہشام)

۵۳ سمرۃؓ نے جو دیکھا کہ رافعؓ کو جہاد کی اجازت مل گئی ہے تو وہ اپنے کو ساتھ لے کر آنحضرت کے پاس پہنچا اور عرض کی حضور نے رافعؓ کو جنگ کی اجازت دے دی ہے۔ حالانکہ میں اُسے کشتی میں پچھاڑ لیتا ہوں۔ اُسے مل ہے تو مجھے بھی اجازت ملنی چاہیئے۔

(ابنِ ہشام و طبری)

رکھا جاتا ہوں میں محروم کیوں ایسی سعادت سے
جہادِ فی سبیل اللہ سے تاجِ شہادت سے

میں کُشتی میں سرِ میداں گرا لیتا ہوں رافع کو
میں اپنے زورِ بازو سے اُٹھا لیتا ہوں رافع کو

مِلا ہے اُسکو اذنِ جنگ تو مجھ کو بھی مل جائے
میرے پژمردہ دل کا غنچۂ امید کھل جائے

رسول اللہ نے دیکھے ذوق شوق ان شیرزادوں کے
کہ عمریں خام تھیں لیکن یہ پکّے تھے ارادوں کے

یہ درگاہِ خدا میں پیشکش لائے تھے جانوں کو
اجازت آپ نے کُشتی کی دیدی ان جوانوں کو

گرایا واقعی کُشتی میں جب رافع کو سمرہ نے
کیا منظور اسے بھی ساتھ لے چلنا رسالتؐ نے

تعالیٰ اللہ یہ ذوق اور جذبہ نوجوانوں کا
تو کیوں راضی نہ ہوتا اُن سے مالک دو جہانوں کا

مجاہدینِ اسلام کا قیامِ شب

زمیں پر جب شہادت کی یہ بے تابی نظر آئی
فلک کا دل بھر آیا اور شفق کی آنکھ بھر آئی

نظارا کر رہا تھا مہر اب تک سرنگوں ہو کر
گرا اب شام کے دامن پہ موجِ اشکِ خوں ہو کر

سلہ دیکھو سیرت النبی۔

ہوا دن منزلِ شیخین[1] پہ مہمانِ شبِ آخر
ہوئے روشن چراغانِ تہِ دامانِ شبِ آخر

شفق نے لے لیا آغوش میں خورشیدِ تاباں کو
دلوں کی روشنی کافی تھی لیکن اہلِ ایماں کو

سکوتِ شام ٹوٹا نغمۂ لحنِ بلالی سے[2]
فضائیں بس گئیں صوتِ جمالی و جلالی سے

جھکائے سر خدا کی بارگہ میں شان والوں نے
پڑھی میداں میں مغرب کی نماز ایمان والوں نے

اُحد کے دامنوں میں فوجِ باطل تھی خیام آرا
ہوا شیخین میں اللہ کا لشکر قیام آرا

عشا کے وقت پھر لحنِ بلالی سے اذاں گونجی
خدا کے نام کی نوبت بزیرِ آسماں گونجی

عشا پڑھ کر بچھائے نوریوں نے خاک پر بستر
کہ تھا زیرِ نگاہِ صاحبِ لولاکؐ ہر بستر

طلایہ[3] پر جوانانِ مجاہد ہو گئے قائم
بہر جانب نگہباں اور شاہد ہو گئے قائم

نظر میں تاکہ رکھیں رات بھر شیخوں کے حملے کو
یہ ساماں کرکے پیغمبرؐ نے زینت دی مُصلّے کو

---

[1] شیخین مدینے اور اُحد کے درمیان دو ٹیلوں کا نام ہے۔ روایت ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہاں ایک اندھا بوڑھا اور ایک اندھی بوڑھیا رہا کرتے تھے اور آپس میں باتیں کیا کرتے تھے اسلئے ان کا نام شیخین مشہور ہو گیا

[2] حضرت بلالؓ نے اذان دی اور تمام صحابہ نے آنحضرت کی اقتدا میں نماز اَدا کی۔ (ابن سعد)

[3] رسول اللہ نے رات کے پہرے پر محمد بن مسلمہ کو متعین کیا۔ جو پچاس مجاہدین کے ساتھ رات بھر لشکر اسلام کے گرد طلایہ کی خدمت انجام دیتے رہے (ابن سعد)

راس المنافقین اور اُسکے ساتھی

ستارے شب کو زیرِ دامنِ بدر الدجیٰ اُترے | مگر اہلِ نفاق ایمان والوں سے جُدا اُترے
رہے[1] ابن اُبیؔ اور اُسکے ساتھی اک کنارے پر | کہ چلتے تھے منافق اس منافق کے اشارے پر
فلک بھی دیکھتا تھا چشمِ حیرت سے یہ نیرنگی | کہ وقتِ امتحاں تھی طینتِ بد کس قدر ننگی
ستارے جھلملائے ہلکی ہلکی روشنی پھیلی | نظر دو چادریں آئیں کہ اک اجلی تھی اک میلی

جو اُجلی تھی اسی کا بزمِ ہستی میں اُجالا ہے
جو میلی تھی اُسی کا آج منہ دنیا میں کالا ہے

---

[1] ابن اُبیؔ اور اس کے ساتھی لشکرِ اسلام سے ایک کنارے شب باش ہوئے۔

کفّار کی چھاؤنی

ستاروں نے اگرچہ نُور ہر جانب بکھیرا تھا / اُحد کے دوسرے رُخ پر اندھیرا ہی اندھیرا تھا

یہاں تاریکیوں نے آج جھنڈے گاڑ رکھے تھے / بلاؤں نے شکاروں کے لئے منہ پھاڑ رکھے تھے

بدی چھائی ہوئی تھی خیمہ و خرگاہ بن بن کر / بدی کے سائے میں بیٹھے تھے سب بدراہ تن تن کر

سیہ کاری نمایاں تھی سیہ بختوں کے ڈیرے میں / کہ روشن داغہائے معصیت تھے اس اندھیرے میں

سرور و عیش کی دف بج رہی تھی خیمے خیمے میں / برائی اسلحہ سے سج رہی تھی خیمے خیمے میں

ابوسفیاں کی عشرت گاہ میں سردار تھے سارے / شرابیں پی رہے تھے مست تھے سرشار تھے سارے

سرود و رقص بھی اور شغلِ مے بھی ہوتا جاتا تھا / اسی میں مسئلہ حملے کا طے بھی ہوتا جاتا تھا

بنائی جا رہی تھیں قتل و خونریزی کی تدبیریں / کمانیں چھٹ رہی تھیں بٹ رہی تھیں خاص شمشیریں

بدی پر مستعد تھے ہر طرح انسان کے دشمن / خدا کے مصطفےٰ کے دین کے ایمان کے دشمن

کفّار کے جاسوس کا بیان

اسی عالم میں اک جاسوس بھی دوڑا ہوا آیا
مدینے سے خروجِ اہلِ ایماں کی خبر لایا

کہا۔ کل اک ہزار افراد نکلے ہیں مدینے سے
نظر آتا ہے گویا ہو چکے ہیں سیر جینے سے

اسی تعداد میں ابنِ اُبیّ والے بھی شامل ہیں[1]
یہ سب باطن میں اپنے دینِ دیرینہ پہ عامل ہیں

دلوں کا حال ان لوگوں کی آنکھوں سے ہے آئینہ
کہ اسلامی جماعت سے یہ رکھتے ہیں بڑا کینہ

یہ توڑیں گے مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ
بہر حال ان کا ہو جائے گا وقتِ جنگ اندازہ

کم از کم تین سو افراد ہیں اس قسم کے انساں
نہ پہنچے گا ہماری فوج کو جن سے کوئی نقصاں

یہ ہم سے آملیں گے اور یا منہ موڑ جائینگے
بہر صورت مسلمانوں کا دامن چھوڑ جائینگے

---

[1] مدینے سے نکلتے وقت آپ کے ساتھ ایک ہزار کی جمعیت تھی۔ جن میں سات سو راسخ العقیدہ مُسلمان تھے اور تین سو منافق جو عبداللہ بن اُبیّ کی زیرِ قیادت تھے۔ ان کا ارادہ اسی سے ظاہر ہے کہ جنگ سے پہلے ہی عبداللہ بن اُبیّ اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر لشکرِ اسلام سے الگ شب باش ہوا تھا۔

رہے اب بات سو باقی سو وہ لڑنے کو آئینگے
محمدؐ اُن کو وقتِ صبح زیرِ تیغ لائیں گے

وہی تیر ہیں جو روزِ بدر کی بھگدڑ میں چھوٹی تھیں
ہماری فوج نے پھینکی تھیں اِن لوگوں نے لوٹی تھیں

وہی چھینی ہوئی مقتول سرداروں کی تلواریں
کہ جنکے پیپلے ٹوٹے ہوئے ہیں کُند ہیں دھاریں

یہی تھوڑے بہت ہتھیار ہیں بس کائنات اُنکی
نظر آتی ہے گویا شاخِ آہو پر برات ان کی

نمازی ہیں بہت مردانِ غازی ہیں بہت تھوڑے
سواری کیلئے لائی ہے ساری فوج دو گھوڑے[۵۲]

کسی کے پاس بھی پُورا نہیں سامان لڑنے کا
نہتے کر کے گھر سے آئے ہیں نادان لڑنے کا

ہماری فوج کی طاقت اگر یہ لوگ سُن پاتے
فصیلِ شہر سے باہر نہ ہرگز یُوں چلے آتے

بظاہر ایک دو فرسنگ چلنے سے تھکے ہارے
کھلے میدان میں شبنمیں پر شب باش ہیں سارے

ابوسفیان کی تدبیریں

ابوسفیان نے یہ خبریں سُنیں پُوری خموشی سے
ہوا سر در گریباں ہاتھ کھینچا بادہ نوشی سے

---

۵۱ احد میں صرف ایک سو مسلمان زرہ پوش تھے۔

۵۲ احد میں لشکرِ اسلام کے ساتھ فقط دو گھوڑے تھے ایک آنحضرتؐ کی سواری میں اور دوسرا حضرت ابوہریرہؓ کے پاس

کہا دیکھو علی الاعلان یہ خبریں نہ دہراؤ
ابُو عامرؓ کو میرے پاس لاؤ۔ جاؤ جلد آؤ

ذرا ٹھہرو ابُو عامر کو میرے پاس پہنچا کر
بہادر عکرمہؓ کو بھی مرا پیغام دو جا کر

پھرے شب بھر پچاس اسوار لیکر گردِ لشکر کے
نہ گھسنے پائیں خیمہ گاہ میں افراد باہر کے

رہا کچھ دیر تک خاموش ابو سفیان پھر بولا
مخاطب ہو کے نائب افسروں سے یُوں دہن کھولا

دلیرانِ عرب! یہ مے کشی اب ملتوی کر دو
کہ وقتِ انتقام بدر آپہنچا جوانمردو

مسلماں شہر میں محصور رہ کر جنگ اگر کرتے
تو کچھ مدّت ہماری فوج کو زیر و زبر کرتے

ؔ۵۱ ابو عامر قبیلہ اوس کا ایک معزز شخص تھا جو مدینے میں راہبانہ وضع سے زندگی بسر کرتا تھا۔ اور سب لوگ اس کی بے انتہا توقیر کرتے تھے۔ جب رسول پاک مکّے سے ہجرت کر کے مدینے تشریف لے آئے اور اوس و خزرج کے قبایل مُسلمان ہونے لگے تو اس کی راہبیت کا ڈھکوسلا بھی خطرے میں پڑ گیا۔ اور آنحضرت صلعم کے خلاف اس کے دِل میں بغض و حسد کے طوفان بھر گئے۔ اس نے کچھ اپنے ساتھیوں کو جن میں بہت سے غلام تھے اپنے ساتھ لیا اور مدینہ چھوڑ کر مکّے کو چلا گیا۔ اور وہاں قریش کو آنحضرت کے خلاف بھڑکاتا اور بھڑکاتا رہا۔ میدان احد میں حملہ آوروں کے ساتھ خود بھی آیا۔ اور اپنے ان ساتھیوں کو بھی ساتھ لایا۔ جو اس کی معیت میں مدینے سے نکل گئے تھے + (ابن ہشام)

ؔ۵۲ عکرمہ بن ابو جہل احد میں سواروں کے ایک دستے کا افسر تھا۔ روایاتِ صحیحہ کے مطابق عکرمہ ہی اس رات پچاس سواروں کے ساتھ لشکرِ کفار کا طلایہ بردار تھا۔

فصیلوں سے تھی آساں تیر باری سنگ باری بھی
وہاں بیکار تھیں زرہیں بھی اپنی اور سواری بھی

اگرچہ شہر کی مدِ نظر ہے ہم کو پامالی
مگر حملے کا یہ اسلوب خطرے سے نہ تھا خالی

بہت خاصی بلندی پر ہے آبادی مدینے کی
جبھی تو آج تک قائم ہے آزادی مدینے کی

جو ہوتے کاربند اہلِ مدینہ قلعہ بندی پر
تو مشکل تھی ہماری پیش قدمی اس بلندی پر

چلو اچھا ہوا وہ خود نکل آئے فصیلوں سے
نہ ٹکرانا پڑے گا اب چٹانوں اور ٹیلوں سے

کھلے میداں میں اُن کو گھیر لائی ہے قضا اُنکی
میں دیکھوں گا مدد کرتا ہے کیا اُن کا خدا اُنکی

سویرے منہ اندھیرے اے مرے لشکر کے سردارو
کرو یکلخت دھاوا اور ان کو گھیر کر مارو

ہدایاتِ مناسب جا کے دیدو اپنے دستوں کو
نگہ میں تاکہ رکھیں رات بھر شبخوں کے رستوں کو

سحر ہوتے ہی جب قرنا پھنکے یلغار ہو جائے
زمینِ دشت کی چھاتی پہ مارا مار ہو جائے

سدھارو شب بخیر اب اور اک شخص آنے والا ہے
بہت ہی ایک نازک مسئلہ طے پانے والا ہے

ابوعامر راہب

میاں منہ تک رہے ہو یوں تعجب سے جو دانا ہو
ابو عامر کو بلوایا ہے میں نے بس سمجھ جاؤ

بوقتِ جنگ اگر جادو بیانی چل گئی اس کی
محمدؐ سے وفا پھر دیکھنا رہتی ہے کس کس کی

یہ راہب ہے اگرچہ سخت غدار اور بدنیت
مگر اہلِ مدینہ کی ہے اک محبوب شخصیت

لباسِ راہبانہ میں یہ حکم اُن پر چلاتا تھا
زمین و آسماں کے خوب قلابے ملاتا تھا

مگر آیا نئے مذہب کا جب پیغام یثرب میں
لگا جب پھیلنے چاروں طرف اسلام یثرب میں

نئے مذہب کا پیغمبر بھی جب اس شہر میں آیا
ابو عامر نے اپنی قوم کو بدلا ہوا پایا

یہ سمجھا اب فریبِ راہبیت چل نہیں سکتا
چراغِ کذب وقتِ صبحِ صادق چل نہیں سکتا

پنپنے کا نہ اُس نے کوئی بھی جب آسرا پایا
تو چپکے سے نکل کر جانبِ مکہ چلا آیا

تُلا ہے اب وہ اپنی قوم کے برباد کرنے پر
ہے آمادہ ہماری ہر طرح امداد کرنے پر

میں اس سے کام لینا چاہتا ہوں جنگ سے پہلے
یہ اُن لوگوں کو پھسلائے گا اپنے رنگ سے پہلے

ہے اب تک اوس و خزرج پر پڑا بھاری اثر اسکا
مجھے امید ہے، افسون ہوگا کارگر اس کا

وہ اس کو نیک طینت جانتے ہیں اک زمانے سے
یقیناً پھوٹ پڑ جائیگی اس کے ورغلانے سے

اگر دام سخن میں پھنس گئے یثرب کے دہقانی
تو ہم برباد کر ڈالیں گے ان سب کو بآسانی

فنا کر دیں گے ہم پہلے تو اصحاب محمدؐ کو
دکھا دیں گے عدم کی راہ احباب محمدؐ کو

ازاں بعد اہل یثرب کا بھی سارا زور توڑیں گے
نہ چھوڑینگے ہم ان دہقانیوں کو بھی نہ چھوڑیں گے

محمدؐ کو مگر زندہ پکڑنے کا ارادہ ہے
ہمارا قرض اسی کی ذات پر سب سے زیادہ ہے

اسی کی ذات پر ہم بدر کا بدلہ اتاریں گے
اُسے زخمی کرینگے پھر اذیت دے کے ماریں گے

ئے شیر و سدھارو اب ابو عامر کو آنے دو
یہ نسخہ آزمانے دو۔ یہ نسخہ آزمانے دو

خفیہ سازش

اُٹھے آخر یہ فتنے فتنہ محشر جگانے کو
بھرا ساغر ابوسفیاں نے راہب کے پلانے کو

اُدھر نکلے سپہ سالار کے خیمے سے یہ افسر
اِدھر اک راہب شیطان سیرت آگیا اندر

یہ راہب تھا۔ کہ تھا تاریکی ابلیس کا سایا
ابوسفیان استقبال کر کے جس کو لے آیا

لباس زہد میں اک پیکر تلبیس و مکاری
نہاں ہر ایک موئے ریش میں سو دام عیاری

نحوست پر نحوست چھا گئی راہب کے آنے کی
سمٹ کر آ گئی گویا بدی سارے زمانے کی

تکلم با تکلم اور خاموشی بہ خاموشی
مسلسل زیر لب خندہ مسلسل ایک خاموشی

زنانِ قریش کی تیاریاں

ابوعامر ہوا رخصت بہم طے پا گئی سازش
ابوسفیاں بھی نکلا اپنے خیمہ سے بصد نازش

قریب اس مرکزی خیمے کے اور اک تھا بڑا خیمہ
ابوسفیاں کی بیوی ہندؔ[1] کا راحت فزا خیمہ

زنانِ[2] جنگ جو خیمہ کے اندر جمع تھیں ساری
ادا و ناز کو منظور تھی حملے کی تیاری

---

[1] ہند عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی۔ ابوسفیان کی بیوی (امیر معاویہ کی ماں) جنگِ بدر میں اس کا باپ عتبہ جو قریش کا سپہ سالار تھا حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے بر سرِ میدان مارا گیا تھا۔ اس کا چچا شیبہ بھی حضرت حمزہ ہی کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ دیکھو شاہنامۂ اسلام جلد دوم صفحہ ۸۷۔

[2] دیکھو شاہنامۂ اسلام جلد دوم حاشیہ صفحہ ۲۳۳

فریبِ حسن نے ملبوس رنگا رنگ پہنے تھے کہیں مانگیں سنواری تھیں کہیں زر کار گہنے تھے[1]

حضرت حمزہ کو شہید کر ڈالنے کی سازش

وحشی غلام آلۂ انتقام

درِ خیمہ پہ تھا اک مرد وحشی نام تھا جس کا[2] کمالِ حربہ اندازی میں شہرہ عام تھا جس کا

غلامِ ابنِ مطعم تھا حبش کا رہنے والا تھا[3] بظاہر گو یہ تیرہ بخت باطن میں بھی کالا تھا

غلاموں میں سمجھ کر حرص و دولت کا غلام اسکو ہوا تھا گھر سے چلتے وقت تفویض ایک کام اسکو

یہ کام اُس شیر کو مکر و دغا سے قتل کرنا تھا یہ کام اس مردِ میداں کے لہو میں ہاتھ بھرنا تھا

---

[1] اُحد کے دن زنانِ قریش میں کوئی ایسی نہ تھی جس نے چوڑیاں، بازوبند، کڑے اور پازیب نہ پہن رکھے ہوں۔

[2] وحشی نام ایک حبشی غلام تھا۔ جو اپنے قومی طریقہ پر حربہ چلانے کا ماہر تھا۔ حربہ چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں برچھی سمجھے۔

[3] وحشی جبیر ابن مطعم کا غلام تھا۔ اس کے آقا نے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو حمزہ کو قتل کر ڈالے تو آزاد کر دیا جائے گا (سیرت النبی)

لرزتے تھے عرب کے کوہ و صحرا نام سی جس کے
ہلی تھی پختگی اسلام کو اسلام سے جس کے

وہ حمزہ عم عالی مرتبت سردار عالم کے
سپہ سالار اوّل اس سپہ سالار اعظم کے

وہ حمزہؓ یعنی روح سرفروشی جان جانبازی
وہ حمزہؓ لشکر اسلام کا سب سے بڑا غازی

وہی حمزہؓ قریشی افسروں کو مارنے والا
کیا تھا بدر میں کفار کو جس نے تہ و بالا

وہی ضیغم شکار و شیر افگن غازی دوراں
اسی کو قتل کرنے کے یہاں درپیش تھے ساماں

کہا اب ہند بنت عتبہ نے وحشی کو بلوا کر
کہ ہم سب عورتیں آئی ہیں مکے سے قسم کھا کر

مسلمانوں سے مقتولوں کا بدلہ لے کے جائینگی
ہم انکا خون چاٹینگی ہم انکا گوشت کھائینگی

کیا ہے قتل حمزہؓ نے میرے بھی سربراہوں کو
ملایا خاک میں عالی تباروں کج کلاہوں کو

میں اسکا دل جگر کھاؤنگی مزے لے لیکے کھاؤنگی
لہو اُس کا پیوں گی ہڈیاں اس کی چباؤں گی

ارے وحشی کسی ترکیب سے دھوکے سے حیلے سے
کہیں پوشیدہ ہو کر اپنے حربے کے وسیلے سے

کسی صورت سے ہو حمزہ کو جا کر قتل کر وحشی
دکھا دے اس کا لاشہ مجھ کو لا دے اسکا سر وحشی

میں تجھ سے کر چکی ہوں پہلے بھی انعام کا وعدہ
زر و گوہر کا وعدہ عزت و اکرام کا وعدہ

میرا یہ کام کر وحشی میں تجھ کو شاد کر دونگی
علاوہ اور باتوں کے تجھے آزاد کر دونگی

یہ کہہ کر پیشگی بھی دیدیئے کچھ سکّہ ہائے زر
ہوئی حرص و ہوس غالب غلام پست ہمت پر

کہا بی بی تمہارا کام مہلک بھی ہے مشکل بھی
کہ حمزہؓ مرد میداں بھی ہیں دور اندیش و عاقل بھی

اگر چھپتے چھپاتے پڑ گئی اس کی نظر مجھ پر
تو فوراً آ پڑے گا وہ بشکل شیر نر مجھ پر

وہاں اظہار چابک دستی و کاریگری مشکل
وہاں وحشی کی سو جانیں بھی ہوں تو جانبری مشکل

خود اپنی موت سے ڈرنا خرد سے دور ہے بی بی
مگر خیر آپ کی خاطر مجھے منظور ہے بی بی

میں حربہ لے کے اک ٹیلے کے پیچھے بیٹھ جاؤنگا
رہونگا تاک میں اپنا مقدّر آزماؤں گا

اگر موقع ملا تو قتل کر ڈالوں گا غازی کو
زمیں پر سرنگوں کر دوں گا اللہ کے نمازی کو

لشکرِ قریش میں تیّاریوں کی رات

غرض قول و قسم کے بعد وحشی بھی ہوا رخصت
ابوسفیاں نے ساری گفتگو سن لی بصد راحت

رہا خاموش ظاہر میں مگر مسرور تھا ظالم
طریقِ جنگ پہ اپنے بہت مغرور تھا ظالم

مگر دل اس خوشی میں بھی رہینِ ناصبوری تھا
ابھی تیاریوں کا جائزہ لینا ضروری تھا

ابوسفیان لے کر ساتھ اپنے دو غلاموں کو
چلا اب تاکہ دیکھے اپنے جنگی انتظاموں کو

مرتّب ہو رہے تھے کینہ کار اپنے طریقے سے
پیادے اپنے ڈھب سے شہسوار اپنے طریقے سے

کمانیں، تیر، نیزے، گُرز، ڈھالیں اور شمشیریں
مہیّا ہو چکی تھیں قتلِ انسانی کی تدبیریں

اندھیری رات تھی خلقِ خدا پر نیند تھی طاری
یہ انسانی درندے تھے مگر مصروفِ تیاری

جدھر ڈالی نظر، تیاریوں کا حشر برپا تھا
خموشی تھی مگر بیداریوں کا حشر برپا تھا

ستارے دیکھتے تھے اور دل ہی دل میں روتے تھے
یہ میداں میں گڑھے کس کیلئے خس پوش ہوتے تھے؟[1]

یہ کیسے مشورے ہوتے تھے اِن قرشی رئیسوں میں[2]
یہ کس کے واسطے پتھر بھرے جاتے تھے کیسوں میں؟[3]

قریشی عورتیں خیمہ بہ خیمہ کیا سناتی تھیں
کوئی افسوں پڑھتی تھیں کوئی جادو جگاتی تھیں

اندھیری رات نے آفات کا لشکر نکالا تھا
خدا معلوم ہنگامِ سحر کیا ہونے والا تھا

---

۱ ابوعامر نے رسول اللہ کے لئے میدان میں گڑھے کھودے۔

۲ ابن قمیہ عبداللہ بن شہاب اور ابی بن خلف اِن چار سرداران مکہ نے آنحضرت کے قتل پر قسمیں کھائی تھیں۔

۳ احد میں ابنِ قمیہ نے آنحضرت کو پتھر سے ضرب پہنچائی تھی۔

آشوبِ شب

اندھیری رات چھاپا مارتی ہے جب نگاہوں پر
اُتر آتے ہیں فرزندانِ تاریکی گناہوں پر

زمیں بدبخت فرزندوں کا اِک طُومار جنتی ہے
یہ ناہموار ماں اولادِ ناہموار جنتی ہے

لہو روتی ہے مٹّی اس خمیرِ بدصفاتی پر
کہ شب بھر لوٹتے ہیں سانپ بیچاری کی چھاتی پر

بشر ہیں بھیڑیے ہیں سانپ بچھّو ہیں کہ چیتے ہیں
سمجھ کر شیرِ مادر دوسروں کا خون پیتے ہیں

خُدا کی بے ضرر مخلوق کو جینا نہیں ملتا
مگر کے ڈر سے پانی گھاٹ پر پینا نہیں ملتا

چرندے ڈھونڈتے پھرتے ہیں مامن سر چھپانے کو
کمیں گاہوں سے اُٹھتے ہیں درندے پھاڑ کھانے کو

یہ کہتی ہیں دہاڑیں شیر کی ہاتھی کی چنگھاڑیں
اِدھر آؤ تمھیں روندیں اِدھر آؤ تمھیں پھاڑیں

سکوتِ شب میں رم کرتے ہیں آہو مرغزاروں سے
نکل آتے ہیں زہری اژدھے تاریک غاروں سے

پڑے ہیں بادرفتاروں کو اپنی جان کے لالے
تعاقب میں چلے آتے ہیں ظالم رینگنے والے

نہیں آتیں جو بھیڑیں گلّہ بانوں کی پناہوں میں
سحر کو ٹڈیاں اُنکی ملا کرتی ہیں راہوں میں

رُخِ آفاق پر جب دم سیاہی پھیل جاتی ہے
تباہی پھیل جاتی ہے۔ تباہی پھیل جاتی ہے

بہت تاریک ہو جاتی ہے انسانوں کی آبادی
یہاں شب لے کے آتی ہے سیہ کاری کی آزادی

یہاں سودا ہے جسم و جاں کا روحوں کی خریداری
سر بازار ہوتی ہے ہوس کی گرم بازاری

بدی چولا بدل کر غازہ مل کر کبر سے تن کر
تھرکتی ہے اندھیری رات میں پرچھائیاں بن کر

حسینہ ڈائنیں شیطان بھی جن سے لرز جائیں
گنہ کی بیٹیاں ڈس لینے والے سانپ کی مائیں

سڑی مٹی سے اور بُودار خوں سے ہے خمیر ان کا
اندھیری رات کے اجزا سے بنتا ہے ضمیر ان کا

بلائیں جب کبھی اس معمورۂ فانی میں آتی ہیں
اسی گندے لباسِ حسنِ انسانی میں آتی ہیں

عفونت ہی عفونت انکے ارمانوں میں ہوتی ہے
بجائے خوں غلاظت ان کی شریانوں میں ہوتی ہے

بپا کر کے تہِ دامانِ شب محفل چراغوں کی
یہ کرتی ہیں نمائش برص کے مکروہ داغوں کی

رفیقانِ گنہ ان کے عجب بے پیر ہوتے ہیں
بشر کی شکل ہوتی ہے مگر خنزیر ہوتے ہیں

یہی وہ سانپ ہیں جو زہر پھیلاتے ہیں دُنیا میں
وبا بن جاتے ہیں طاعون بن جاتے ہیں دُنیا میں

خدا سے ان کو کیا پردہ کہ شب ہے پردہ داران کی
ہوس ظلم آفریں ان کی نظر آدم شکاران کی

بسا اوقات لعنت آدمی کا روپ بھرتی ہے
شیاطیں کے ادھورے کام کی تکمیل کرتی ہے

خدا کے بالمقابل لے کے دعوئے خالقیت کے
جماتی ہے یہ مٹّی دبدبے اپنی حکومت کے

یہ ایوانات شاہی میں ریاست بن کے جاتی ہے
وزارت کے قلمداں میں سیاست بن کے جاتی ہے

ریاست کا مرقع عیش کی مکروہ تصویریں
سیاست کے لوازم تازیانے اور زنجیریں

بدل جاتا ہے معیار شرافت اس زمانے میں
خوشی ملتی ہے ننگ و نام کا پردہ اُٹھانے میں

مُسرّت کا ذریعہ جام و مُل ٹھہرائے جاتے ہیں
دنی الطبع مختاران کُل ٹھہرائے جاتے ہیں

یہ فاتح بن کے جب کشور کشائی کو نکلتے ہیں
دھواں اُٹھتا ہے انکے راستوں میں شہر جلتے ہیں

قدم سے انکے ہوتا ہے یہ رنگ گلشن ہستی
کہیں سڑتی ہوئی لاشیں کہیں اُجڑی ہوئی بستی

بنی نوع بشر کی ہڈیوں کے ہار بنتے ہیں
سروں سے یادگار فتح کے مینار بنتے ہیں

ہے یکساں قابل تعزیر جھوٹا ہو کہ سچّا ہو
کوئی بھی رحم کے قابل نہیں ماں ہو کہ بچّہ ہو

علانیہ خُدا کے نام کی توہین ہوتی ہے / خُودی کی خود پرستی کی بڑی توہین ہوتی ہے

ستم ایجاد کو بیداد گر کو داد ملتی ہے / سزاوارانِ لعنت کو مبارکباد ملتی ہے

عدالت منہ چھپا لیتی ہے محرومی کے پردے میں / شرافت دفن ہو جاتی ہے مظلومی کے پردے میں

جفاکاری کے ہاتھوں سے وفا کا خون ہوتا ہے / نہیں ہوتا کوئی قانون یہ قانون ہوتا ہے

نہیں آتا میسر تشنہ لب معصُوم کو پانی / ہوا کرتی ہے لیکن خونِ انسانی کی ارزانی

سکوتِ شب میں ہل جاتی ہیں ایوانوں کی بنیادیں / کہ خاموشی کا ہے مفہوم چیخیں اور فریادیں

وہ روحیں جن کی پیاری عصمتیں برباد ہوتی ہیں / دعائیں مانگتی ہیں کشمکش کرتی ہیں روتی ہیں

مگر ایمان بچنے کا سہارا ہی نہیں کوئی / سوائے جان دے دینے کے چارہ ہی نہیں کوئی

ستم سے تنگ آکر جو اُٹھا لیتے ہیں تلواریں / چنی جاتی ہیں اُن کے کاسہ ہائے سر کی دیواریں

فلک کی سمت فریادی نگاہیں اُٹھ نہیں سکتیں / دل ایسا بیٹھ جاتا ہے کہ آہیں اُٹھ نہیں سکتیں

اندھیری رات کیا ہے دورِ طوفانِ جہالت کا / جہالت نام ہے انسان کے کفر و ضلالت کا

اندھیری رات کیا ہے نُور کا مستور ہو جانا / نگاہوں سے زیادہ قلب کا بے نور ہو جانا

جہاں سے کاروبارِ عدل کا مفقود ہو جانا
شعارِ ظلم کا اس کی جگہ موجود ہو جانا

ہے تاریکی ہی منبع ہر بلا ہر ایک آفت کا
ابلتا ہے اسی کے پیٹ سے دریا کثافت کا

یہ وہ دریا ہے جسمیں ظلم کے طوفان اُٹھتے ہیں
اسی کی گود سے شدّاد اور ہامان اُٹھتے ہیں

سرِ امواجِ دریا جس طرح تنکے ابھرتے ہیں
خس و خاشاک آبِ صاف کے اوپر بکھرتے ہیں

اسی صورت اُٹھا کرتا ہے جب طوفانِ تاریکی
ہوا کرتے ہیں سرفراز فرزندانِ تاریکی

دنائت ان کو لے جاتی ہے رتبے کی بلندی پر
سبک ہوتے ہیں چڑھ جاتے ہیں بامِ ارجمندی پر

خوشامد پیشگی ابلہ فریبی کاروبار ان کا
بڑھا کرتا ہے عزت بیچ دینے پر وقار ان کا

یہ بیوپاری فراہم کرتے ہیں جنسِ سبکساری
کہ منڈی میں ہے ایسی جنس کی قیمت بہت بھاری

یہ سب کچھ ہاں یہ سب کچھ رات کے پردے میں ہوتا ہے
کہ شیطاں جاگتے ہیں جس گھڑی انسان سوتا ہے

چھپیں جب شاہبازانِ شکاری آشیانوں میں
تو کیوں آئے نہ تیزی بوم و شپر کی اڑانوں میں

صدائے نغمۂ بلبل دبے جھینگر کے شیون سے
تو کیا لائیں ہوائیں جز نحوست صحنِ گلشن سے

اندھیری رات میں محفوظ منزل ہے نہ رستے ہیں
درندے جنگلوں میں بستیوں میں چور بستے ہیں

لشکرِ اسلام اور خیر الانام

وہاں ظلماتیوں میں ظلم کے سامان ہوتے تھے
یہاں نور آفریدہ چھاؤں میں تاروں کی سوتے تھے

نہ تھا بیدار کوئی ہاں مگر اک کملی والا تھا
اسی کا روئے انور چشمِ ہستی کا اُجالا تھا

وہی اک پیکرِ یُمن و سعادت تھا مصلّے پر
دو زانو قبلہ رُو محوِ عبادت تھا مصلّے پر

دمیدہ اور پوشیدہ مجسّم نور کملی میں
کہ جیسے چاند ہو بدلی میں وہ مستور کملی میں

پئے نوعِ بشر رحمت طلب درگاہِ باری میں
زباں الحمد میں مشغول سر سجدہ گذاری میں

محمد ذکرِ حق میں اور شیطاں فکرِ ساماں میں
اسی صورت سے گذری دو تہائی رات میداں میں

ابھی آفاق کو ظلمات کی فوجوں نے گھیرا تھا
زمین و آسماں کے درمیاں گہرا اندھیرا تھا

تہجّد کیلئے اب جاگ اُٹھے اللہ کے بندے
عبودیت نے آخر توڑ ڈالے نیند کے پھندے

جبینوں کا ہجوم اور آستانِ حق تعالیٰ تھا
گذارش کرنے والے تھے گذارش سننے والا تھا

مُجاہدین کا اقدام

مُصلّے سے اُٹھا بعدِ تہجّد دین کا ہادیؐ ۔۔۔ اُٹھا دی چاند نے بدلی منوّر ہو گئی وادی

اندھیری رات میں جب اس طرح سورج نکل آیا ۔۔۔ خُدا کی فوج نے جانا کہ پیغامِ عمل آیا

کمر باندھی خدا کی راہ پر چلنے کو بندوں نے ۔۔۔ کیا اقدام سربازی کی خاطر سربلندوں نے

بھرا تھا سر میں شوقِ سرفروشی ذوقِ جانبازی ۔۔۔ نبی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھے اللہ کے غازی

ثبوتِ عشق دینا تھا شہادت گاہ میں ان کو ۔۔۔ بڑھا لے کر پیمبرؐ امتحاں کی راہ میں ان کو

خدا حافظ بھی تھا اور مالک و مختار بھی اُن کا ۔۔۔ محمد رہنما بھی تھا سپہ سالار بھی اُن کا

نمازِ صُبح

سپہ دارانِ باطل تھے ابھی ترتیبِ لشکر میں ۔۔۔ کہ جا پہنچی صحابہ کی جماعت موجِ قنطر میں

---

[۱] موجِ قنطر میں پہنچے تو نماز کا وقت آگیا تھا اور یہاں سے مشرکین بھی نظر آتے تھے۔ آنحضرتؐ نے بلال کو اذانِ اذان دی۔ پھر صف بندی کی اور نماز پڑھائی۔ (ابن ہشام۔ طبری وغیرہ)

شبِ تاریک بھاگی صبح کا ہنگام آپہنچا
اُحد کے ایک رخ پر لشکرِ اسلام آپہنچا

سپہ سالارِ حق نے اس جگہ لشکر کو ٹھہرایا
بلالِ پاک طینت کو اذاں کا اذن فرمایا

طلسمِ خواب توڑا نعرۂ اللہ اکبر نے
صفیں آراستہ کیں امتِ محبوبِ داور نے

میسّر تھی امام الانبیا کی اقتدا اُن کو
رسولوں کی تمناؤں کا حاصل مل گیا ان کو

سعادت لائی تھی خود شانِ رحمت کے قریب ان کو
محمد کی امامت میں نمازیں تھیں نصیب ان کو

بسایا روح کو آیاتِ قرآں کی سماعت نے
ادا کر لی نمازِ صبح اسلامی جماعت نے

مومنوں کی صف آرائی اور منافقین[۱] کی بیوفائی

مگر خیلِ منافق بھی تھا آج اس فوج میں شامل
"تہیدستانِ قسمت را چہ سود از رہبرِ کامل"

یہ شامل بھی جماعت میں یہ خارج بھی جماعت سے
شفاعت کے قریں بھی دور بھی لیکن شفاعت سے

۱؎ صبح ہوتے ہی لشکرِ اسلام احد کے دامن میں پہنچ گیا۔ اس وقت عبداللہ بن ابی منافق نے اپنے تین سو ساتھیوں کو ساتھ لیا اور یہ کہتا ہوا مدینے کی طرف پلٹ گیا کہ محمد نے ہماری رائے نہ مانی اور چھوکروں کا کہنا کیا۔ اس لئے ہم نہیں لڑتے۔ یہ لڑائی نہیں ہے بلکہ جان بوجھ کر ہلاکت کے منہ میں جانا ہے۔

(ابن ہشام و ابن سعد وغیرہ)

ہوا جب لشکرِ حق فرض ادا کرنے پر آمادہ
صفیں اللہ والوں کی ہوئیں میداں میں استادہ

برائے حفظِ دیں تسلیم جاں کا وقت آپہنچا
میانِ دوست دشمن امتحاں کا وقت آپہنچا

ہوئے بہرِ جہادِ اسلام کے غازی جو صف بستہ
تو انبوہِ منافق نے مدینے کا لیا رستہ

صداقت کی گواہی جب گھڑی شمشیر نے چاہی
کنارا کر گئے ابنِ اُبَیّ اور اُس کے ہمراہی

دغابازی سے نامردوں نے آئینِ وفا توڑا
صفیں کر کے مرتّب لشکرِ اسلام کو چھوڑا

یہ نقشہ دیکھ کر محوِ تحیّر ہو گئے غازی
کہ غیرت کے منافی تھی لشکر کی یہ دغابازی

ابھی ساعت نہیں آئی تھی خنجر آزمائی کی
کہ پورے تین سو افراد نے یوں بے وفائی کی

خدا کی فوج میں اب سات سو افراد باقی تھے
بروئے لشکرِ شیطاں یہ آدم زاد باقی تھے

نہ کثرت تھی نہ سامانِ وغا موجود تھا ان میں
خُدا تھا اور محمد مُصطفےٰ موجود تھا ان میں

ختم جلد دوم

غزوات کے باقی حالات جلد سوم میں ہیں جلد سوم کے لئے مصنف کو خط لکھئے۔

قطعۂ تاریخ شاہنامۂ اسلام جلد دوم

اثرِ خامہ جناب صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسمؔ ایم اے

حفیظ آں خسروِ معنی کہ در ہند | سخن را ہست فردوسیِ ثانی
کتابِ شاہنامہ کردہ تصنیف | کہ الفاظش بود رشکِ معانی
بیانے کز طلسم انگیزیِ کلک | خطِ بطلاں کشد بر نقشِ مانی
کلامے کز فلک پیماییِ فکر | بگوش آرد نویدِ آسمانی
سرودے کز نشاط آراییِ شعر | بجاں بخشد سرورِ جاودانی

بدل گفتم چہ ہست ایں نقشِ زیبا
ندا آمد ز ہاتف غیرِ فانی



[illegible] پریس [illegible] باہتمام لالہ گوپال داس منیجر چھپی اور حافظ صاحب ابو الاثر حفیظ جالندھری پبلشرز نے صدر دفتر شاہنامہ اسلام ماڈل ٹاؤن لاہور سے شائع کی

تصانیفِ حفیظ

ہندوستان ہمارا۔ اُردو نظم میں ہندوستان کی تاریخ (بچوں کیلئے) عہ

بہار کے پھول۔ بچوں کے لئے چھوٹی چھوٹی نظمیں اور گیت ۸ر

پھول مالا۔ چھوٹے بچوں کے لئے تتلاتی زبان میں ایسے گیت اور نظمیں جن میں بچوں کی نفسیات کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ ۱۰ آر

عُمر عیار۔ بچوں کے لئے مشہور عمر عیار کی کہانی۔ دو حصے فی حصہ ۳ر

سلام۔ حفیظ کا سلام بدرگاہ خیر الانام ۲ر

رقاصہ۔ ایک اصلاحی نظم ۳ر

صُبحِ سعادت۔ مسلمانوں کے مختلف طبقوں کے مشاغل کی تصاویر صبح کے عالم میں ۴ر

پردہ اور تعلیم۔ ایک ایسی نظم جس کا مطالعہ ہر بالغ مسلمان مرد و عورت کیلئے ضروری ہے۔ ۴ر

(بہر صورت ڈاک کا خرچ بذمہ خریدار)

حفیظ کی تمام تصانیف

شیخ مبارک علی صاحب تاجر کتب اندرون لوہاری دروازہ لاہور

سے مل سکتی ہیں

یا براہِ راست

صدر دفتر شاہنامۂ اسلام، ماڈل ٹاؤن (لاہور)

سے طلب فرمائیے